کورس: تدریس اسلامیات و مطالعہ پاکستان **سمسٹر بہار 2021**

سطح: ایسوسی ایٹ ڈگری ان ایجوکیشن

امتحانی مشق نمبر 1

سوال نمبر 1: تدریس اسلامیات میں مہارتی مقاصد کیا ہیں؟ اور نصاب سازی میں ان کا حصول کس طرح ممکن ہے؟

تدریس ایک پیشہ ہی نہیں بلکہ ایک فن ہے۔ پیشہ وارانہ تدریسی فرائض کی انجام دہی کے لئے استاد کا فن تدریس کے اصول و ضوابط سے کم حقہ واقف ہوناضروری ہے۔ ایک باکمال استاد موضوع کو معیاری انداز میں طلبہ کے ذہنی اور نفسیاتی تقاضوں کے عین مطابق پیش کرنے کے فن سے آگاہ ہوتا ہے۔ معیاری اور نفسیاتی انداز میں نفس مضمون کو پیش کر نا ہی تدریس ہے۔ موثر تدریس کے لئے ،کسی بھی موضوع کی تدریس سیقبل، استاد کا موضوع سے متعلق اپنی سابقہ معلومات کا تشفی بخش اعادہ ا ور جائزہ بے حد ضروری ہے۔

سابقہ معلومات کے اعادہ و جائزہ کے علاوہ موضوع سے متعلق جدید تحقیقات و رجحانات سے لیس ہوکر اساتذہ اپنی شخصیت کو باکمال اور تدریس کو بااثر بنا سکتے ہیں۔ موثر تدریس کی انجام دہی کے لئے اساتذہ کا تدریسی مقاصد سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔تدریسی اصولوں پر عمل پیرائی کے ذریعے اساتذہ مقاصد تعلیم کی جانب کامیاب پیش رفت کر سکتے ہیں۔ موثر تدریس اورتعلیمی مقاصد کے حصول میں تدریسی اصول نمایا ں کردار ادا کرتے ہیں۔تدریسی اصولوں سے اساتذہ کیوں، کب اور کیسے پڑھانے کا فن سیکھتے ہیں۔تدریسیاصولوں کا علم اساتذہ کو تدریسی لائحہ عمل کی ترتیب اور منظم منصوبہ بندی کا عادی بناتا ہے۔کیوں، کب ، اورکیسے پڑھا نے کااصو ل اساتذہ کی مسلسل رہنمائی کے علاوہ تدریسی باریکیوں کی جانکاری بھی فراہم کرتا ہے ۔ تدریسی اصولو ں پر عمل کرتے ہوئے اساتذہ موثر اور عملی تدریس کو ممکن بناسکتے ہیں۔تدریسی اصول بامقصد تدریس،نئے تعلیمی رجحانات ، تجزیہ و تنقید، مطالعہ و مشاہدہ ،شعور اور دلچسپی کو فروغ دیتے ہیں۔

تدریسی اصولوں پر قائم تعلیمی نظام نتیجہ خیز اور ثمر آورثابت ہوتا ہے۔تدریسی اصولوں پرکاربند استا د معلم سے زیادہ، ایک رہنما اور رہبرکے فرائض انجام دیتاہے۔ جدید تعلیمینظریات کی روشنی میں استاد ایک مدرس اور معلم ہی نہیں بلکہ ایک رہبر اور رہنما بھی ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات سے عدم آگہی کی وجہ سے ہم اس نظریہ تعلیم کو جدیدیت سے تعبیر کر رہے ہیں جب کہ یہ ایک قدیم اسلامی تعلیمی نظریہ ہے جہا ں استاد کو معلومات کی منتقلی کے ایک وسیلے کی شکل میں

نہیںبلکہ ایک مونس مشفق مربی رہنما اور رہبر کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ تدریسی اصولوں سے باخبر استاد بنیادی تدریسی و نفسیاتی اصولوں کی یکجائی سے تعلیم و اکتساب کو طلبہ مرکوز بنادیتا ہے۔ذیل میں اہمیت کے حامل چند نمایاں تدریسی اصولوں کو بیان کیا جارہاہے ۔

1))

ترغیب و محرکہ تدریسی اصولوں میں اساسی حیثیت کا حامل ہے۔طلبہ میں تحریک و ترغیب پیدا کیئے بغیر موثر تدریس کو انجام نہیں دیا جاسکتا۔ طلبہ میناکتسابی میلان ترغیب و تحریک کے مرہون منت جاگزینہوتاہے۔ حصول علم، پائیدار اکتساب اور علم سے کسب فیض حاصل کرنے کے لئے طلبہمیں دلچسپی اور تحریک پیدا کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔فعال و ثمر آور اکتساب ترغیب و تحریک کے زیر اثر ہی ممکن ہے۔تدریس میں ہر مقام پر طلبہ میں محرکہ کا مطالبہ کرتی ہے۔ بغیر محرکہ پیدا کیئے کامیاب اکتساب ممکن ہی نہیں ہے۔اکتسابی دلچسپیوں کی برقراری کے لئے محرکہ بہت اہم ہے۔محرکہ کی وجہ سے طلبہ میں اکتساب کی تمنا انگڑائی لیتی ہے۔

2))

درس و تدریس استاد اور طالب علم پر مبنی ایک دوطرفہ عمل ہے۔موثر تدریس اور کامیاب اکتساب کے لئے تعلیمی عمل میں استاد اور شاگرد دونوں کی سرگرم شرکت لازمی تصور کی جاتی ہے۔تعلیمی سرگرمیوں کے بغیر تدریسی عمل بے کیف اور عدم دلچسپ بن جاتا ہے۔طلبہ میں اکتسابی دلچسپی کی نمو ،فروغ اور برقراری میں تعلیمی سرگرمیاں بہت اہم ہوتی ہیں۔ کامیاب اکتساب اور موثر تدریس میں محرکہ کے بعد سب سے نمایاں مقام سرگرمیوں پر مبنی تدریس و اکتساب (Activity Based Teaching)کو حاصل ہے۔ سرگرمیوں پر مبنیتدریس طلبہ میں تعلیم سے دلچسپی ،شوق و ذوق پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔سرگرمیوں کے زیر اثر طلبہ میں نصابی مہارتیں فروغ پانے لگتی ہیں۔سرگرمیوں کے زیر اثر انجام پانے والی تدریس اور اکتساب موثر اور پائیدار واقع ہوتے ہیں۔سرگرمیوں کے ذریعے طلبہ میں عملی اکتساب (Practical Learning)فروغ پاتی ہے۔تدریسی اصولوں میں سرگرمیوں پر مبنی تدریس کو بہت اہمیت حاصل ہے اسی لئے اساتذہ اپنی تدریس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے سرگرمیوں (activities)کو اپنی تدریس کا لازمی جزو بنا لیں۔

3))

دوران تدریس استاد جو حکمت عملی اختیار کرتا ہے اسے تدریسی حکمت عملی یا طریقہ تدریس کہتے ہیں۔تدریسی طریقہ کار معلومات کی منتقلی اورطلبہ میں علم سے محبت و دلچسپی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔تدریس دراصل معلومات کی منتقلی کا نام نہیں ہے بلکہ طلبہ میں ذوق و شوق کو پیدا کرنے کا نام ہے۔ طلبہ میں علم کا ذوق و شو ق اگر پیدا کردیا جائے تب اپنی منزلیں وہ خود تلاش کرلیتے ہیں۔ایک کامیاب استاد اپنے طریقہ تدریس سے طلبہ میں معلومات کی منتقلی سے زیادہ شوق و ذوق کی بیداری کو اہمیت دیتا ہے۔وہ تدریسی حکمت عملی اور طریقہ کار کامیاب کہلاتا ہے جو بچوں میں اکتساب کی دلچسپی کو برقرار رکھے ۔اساتذہ طلبہ میں اکتسابی دلچسپی کی برقراری کے لئے تدریسی

معاوناشیاء(چارٹ،نقشے،خاکے،تصاویر،قصے ،کہانیوں، دلچسپ مکالموں اور فقروں) کو اپنی تدریسی حکمت عملی میں شامل رکھیں۔

4))

اختیار کردہ تعلیمی پروگرام اور سرگرمیوں کے پہلے سے طئے شدہ مقاصد ہونے چاہیئے۔ اور ان مقاصد کے حصول کے لئے مناسب لائحہ عمل کے تحت اساتذہ کو تعلیمی سرگرمیوں کو منتخب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔مبنی بر مقاصد تعلیمی سرگرمیاں تعلیمی اقدار کی سربلندی اور بامعنی اکتساب میں بہت معاون ہوتی ہیں۔تعلیمی سرگرمیاں تعلیمی مقاصد سے مربوط ہونی چاہیئے۔ورنہ تعلیمی مقاصد کا حصول اور بامقصد اکتساب دونوں بھی ناممکن ہوجاتے ہیں۔

5))

اساتذہ تدریسی تنوع کے لئے جہاں مختلف سرگرمیونسے کام لیتے ہیں وہیں تدریس کے دوران انھیں ایک بات کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہو تی ہے اور یہ توجہ تدریس کا سب سے اہم اصول ہے اور وہ ہے بچہ کی انفرادیت کا احترام ۔بچے کی انفرادیت اور اس کی شخصیت کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر اساتذہ کو تدریسی خدمات انجام دینی چاہیئے۔دوران کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہوتی(Learning Diversities) تدریس بچے کی انفرادیت اور اس کے اکتسابی تنوع ہے۔کیونکہ ہر بچے کی ذہنی صلاحیت ، ذہانت ، جذباتیت، احساس دلچسپی اور ضروریا ت میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے اساتذہ کو تدریسی فرائض انجام دینا ضروری ہوتا ہے۔اساتذہ جب طلبہ کی شخصیت اور انفرادیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں تب استاد اور شاگرد میں ایک اٹوٹ وابستگی پیدا ہوجاتی ہے اور کند ذہن سے کند ذہن طالب علم بھی تعلیم میں دلچسپی لینے لگتا ہے ۔طلبہ کی انفرادیت اور اکتسابی تنوع کا خیال رکھنے سے ایک بہت ہی خوش گوار تدریسی اور اکتسابی فضا جنم لیتی ہے۔اور اس فضاء میں ہر بچہ خود کو نہایت اہم اور خاص تصور کرنے لگتا ہے۔ تعلیمی و تدریسی حکمت عملی اختیار کرتے وقت اساتذہ طلبہ کے تنوع اور انفرادیت کا بطور خاص خیال رکھیں ۔

(جاری)

6))

موثر تدریس ،بہتر اکتساب اور طلبہ میں تخلیقیت اور اختراعی صلاحیتوں کی نمو و فروغ کے لئے اساتذہ تخلیقی اور اختراعی طریقہ ہائے تدریس کو بروئے کار لائیں۔ طلبہ مینہر قسم کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھانا ضروری ہوتا ہے اور تخلیقی تدریس اس اہم کام کی تکمیل میں ایک اہم عنصر تصور کی جاتی ہے۔تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دینے والی تدریسی اقداربامقصد اور ثمر آور اکتساب میں کلیدی کردار انجام دیتے ہیں۔

7))

سابقہ معلومات کا موجودہ علم سے ارتباط،نامعلوم کو معلوم سے مربوط کرنا،معلومات زندگی کو عملی زندگی سے جوڑنا کہلاتا ہے۔علم ارتباط کو فن تدریس میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے(principal of correlation) ہی علم ارتباط

جس کی بغیر علم بے مقصد اور فضول شئے بن جاتا ہے۔علم ارتباط کے ذریعہ معلومات ،دانشوری میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور علم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طلبہ کے ذہنوں میں محفوظ ہوجاتا ہے۔علم ارتباط کی وجہ سے معلومات(علم) نہ صرف کرنے کی صلاحیت میں بھی(Retention and Retreival) محفوظ ہوجاتے ہیں بلکہ وقت ضرورت معلومات کو بازیاب اضافہ ہوجاتا ہے۔

8))

Teaching)تدریس کو معقول موثر اور طلبہ کے لئے دلچسپ بنانے کے لئے اساتذہ ، بہتر سے بہتر طریقہ تدریس اور دیگر وسائل کا(Teadching aids) تعلیمی معاون اشیاء،(teaching strategies)تدریسی حکمت عملی،(methods بر موقع استعمال کرنے میں غایت درجہ کی احتیاط سے کام لیں۔موثر تدریس مناسب طریقہ تدریس کے انتخاب کا دوسرا نام ہے۔ اسی لئے اساتذہ کمرئہ جماعت ،طلبہ کی استعداد، اور ذہنی تنوع کو مد نظر رکھتے ہوئے تدریسی طریقوں کا انتخاب کریں ۔

9))

تعلیم و تدریس کا اہم مقصد طلبہ میں صحت مند اقدار کی منتقلی ،صحت مند رویوں ، عادات کی تشکیل و استحکام،نظم و کا فروغ ،کردار سازی، زندگی میں معاون مہارتوں اور عزت نفس کا فروغ ہے۔وہ تعلیم بامقصد اور (discipline)ضبط کارآمد تصور کی جاتی ہے جو ہر طالب علم کو ترقی کے یکساں مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ایک بامقصد اور کارآمد زندگی کے لئے کو تیار کیا جاتا ہے ۔مذکورہ مقاصد کے پیش نظر درس و تدریس کو طلبہ کی شخصی ترقی کا ایک اہم ذریعہ تصور کیا گیا ہے۔ اساتذہ ایسی تدریسی حکمت عملی اور طریقوں کو بروئے کار لائیں جو طلبہ کی شخصی ترقی اور استحکام کا باعث بنے۔

(Evaluation) اور تعین قدر ،جانچ(Recapitulation) (10)اعادہ

کے ذریعے اکتساب کی ترقی اور تدریس کی تاثیر کا پتا چلتا ہے۔ اسی لئے ایسی تدریس کامیاب تصور کی جاتی ہے جس میں طلبہ کی مسلسل جانچ اور اعادہ کی کنجائش فراہم کی جاتی ہے۔ اساتذہ موثر تدریس اور مستحکم اکتساب کے لئے اپنی کو لازما جگہ دیں۔مسلسل جانچ و تعین قدر کے(Recapitualation) تدریسی حکمت عملی میں جانچ (تعین قدر) اور اعادہ ذریعہ استاد طلبہ کی اکتسابی ترقی کی جانچ و پیمائش کو انجام دیتا ہے ۔جانچ و تعین قدر کے ذریعہ استاد طلبہ کی اکتسابی ترقی میں مانع عوامل سے واقف ہوتا ہے۔ جانچ و تعین قدر ہی اساتذہ کو اصلاحی تدریس کے طریقے وضع کرنے میں مددفراہم کرتا ہے۔اساتذہ طلبہ کی جانچ و پیمائش کے بعد اصلاحی تدریس کے ذریعہ اکتسابی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔ اساتذہ اپنی تدریسی سرگرمیوں میں طلبہ کی مسلسل جامع جانچ ،اکتسابی ، اخلاقی اور برتائو کی ترقی کے لئے مکمل گنجائش اور مواقع فراہم کریں۔

11))

طلبہ میں خوش گوار اکتساب کے فروغ کے لئے مختلف اوقات اور مراحل مینطلبہ کی نفسیات اور اپنی تدریسی سطح پر اساتذہ کا نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔نفسیاتی اور ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر اساتذہ طریقہ تدریس کو اپنائیں تاکہ تدریس کو طلبہ مرکوز بنایا جاسکے۔وہ تدریس بہتر مانی جاتی ہے جس میں نفسیاتی عوامل پر توجہمرکوز کی جاتی ہے اور نفساتی تقاضوں کے عین مطابق طریقہ تدریس اور تدریسی حکمت عملی وضع واختیار کی جاتی ہے۔
12))

تدریس عمل کو جدید تکنیکی و تخلیقی نظریات سیہم آہنگ کرتے ہوئیمزید بہتر اورعصری تقاضوں کے عین مطابق بنایا جاسکتا ہے۔اساتذہ نئے تعلیمی رجحانات اور اختراعی و تکنیکی وسائل سے مطابقت پیدا کرتے ہوئے اکتساب کے عمل کو پر کیف ،پائیدار،موثر اور یاد گار عمل بنا سکتے ہیں۔تجربوں اور تجزیات پر مبنی تدریس نہ صرف موثر بلکہ پائیدار بھی ہوتی ہے۔تعلیمی دنیا میں وقوع پذیر تبدیلیوں سے اساتذہ کا واقف ہونا ضروری ہے۔ اساتذہ اپنی صلاحیتوں کو عصری تقاضوں کے عین مطابق بناکر طلبہ کو تعلیمی عمل میں مزید فعال اور سرگرم بناسکتے ہیں۔عصری تقاضوں سے نا واقف اساتذہ معلومات میں اضافہ تو کجا طلبہ کی رہی سہی صلاحیتوں کے بے دردانہ قتل کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ایک بہتر استاد تدریس کے اساسی پہلوئوں سے سرموئے انحراف کیئے بغیر نئے تدریسی تجربات و طریقوں کو ایجاد و اختیار کرتا ہے۔

تدریسی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے استاد نہ صرف اپنی تدریسی صلاحیتوں کو فروغ دیتا ہے بلکہ معیاری اکتساب کو پروان چڑھانے میں کامیابی بھی حاصل کرتا ہے۔تدریسی اصولوں پر عمل پیرائی کے ذریعہ مشکل اور گنجلک تدریسی مسائل آسان اور سہل ہوجاتے ہیں۔ تدریسی اصول کے ذریعے نہ صرف استاد الجھن اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے بلکہ طلبہ بھی تشکیک اور تشویش سے مامون رہتے ہیں۔استاد کا میکانکی انداز میں سبق پڑھا نا طلبہ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ زمانے قدیم سے یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ طلبہ میں علم حاصل کرنے کے لئے شوق و ذوق بہت ضروری ہے۔ میری نظر میں جس طرح حصول علم کے لئے طلبہ میں شو ق و ذوق ضروری ہے بالکل اسی طرح موثر تدریس کے لئے استا د میں بھی تدریس افعال کی انجام دہی کے لئے شوق و ذوق اور جوش و جذبے کا پا یا جا نا نہایت ضروری ہے۔

طالب علم کی ذہنی استعداد کی طرح معلم کی تدریسی لیاقت بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے ۔اکثر و بیشتر طلبہ ہی امتحان اور آزمائش کے نام پر تختہ مشق بنایا جاتا ہے۔ بہت ہی کم یا نہیں کے برابر اساتذہ کی تدریسی لیاقت اور استعداد کو موضوع بحث بنایا جاتا ہے۔ اکتساب کے زوال یاماند پڑھنے پر عموما طلبہ کو لعن طعن کا سامنا کرنا پڑتا ہے بہت کم اساتذہ کی تدریسی لغزشوں کی طرف نگاہ کی جاتی ہے ۔اس حقیقت سے مجھے کوئی انکار نہیں ہے کہ فروغ علم اور اکتساب کے زوال میں طلبہ کی غفلت شامل حال ہے لیکن بد کو بدتر بنانے میں اساتذہ کا بھی کہیں نہ کہیں ہاتھ ہے۔ اساتذہ کامیاب طلبہ کو جس شان سے اپنی کارکردگی کا نمونہ بنا کر پیش کرتے ہیں اسی طرح ضروری ہے کہ وہ بچوں میں اکتساب کی ماندگی کے اسباب تلاش کرنے کیعلاوہ اپنے تدریسی طریقہ کارکی خامیوں کا بھی جائزہ لیں۔اپنے تدریسی

تجربات کی روشنی میں مجھے یہ بات کہتے کوئی عار محسوس نہیں ہورہاہے کہ اساتذہ اپنی تدریسی جہالت کی بناء پر بچوں کی صلاحیتوں کا قتل کر رہے ہیں۔حروف کی ترتیب و صوتیات سے واقف فرد استاد نہیں ہوتا ہے بلکہ استاد طلبہ کے نفسیاتی ،معاشرتی مسائل کا ادراک رکھتا ہے ان کی سابقہ معلومات اور ذہنی صلاحیتوں اور استعداد کو ملحوظ رکھ کر اپنی تدریسی حکمت عملی وضع کرتا ہے۔بہتر ،کامیاب اور موثر تدریس کی انجام دہی کے لئے استاد کا لائق ،قابل اور تربیت یافتہ ہونابہت ضروری ہے۔ اساتذہ درس و تدریس کے جدید نظریات اور تکینک سے خود کو آراستہ کرتے ہوئے ایک جہالت سے پاک معاشرے کی تعمیر میں نمایا ں کردار انجام دے سکتے ہیں۔

پاکستان میں سکولوں کے لیے تیار کیے جانے والی نئے نصاب میں سے ’حکومت کو ایک لازمی مضمون سے دینی مواد نکالنے کی ضرورت ہے ورنہ غیر مسلم بچوں کے لیے پڑھنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔‘

یہ رائے لاہور میں مقیم ماہر تعلیم پیٹر جیکب کی ہے جنھیں حکومت پاکستان نے گذشتہ برس اپنے پروگرام ’یکساں نصاب تعلیم‘ کا سلیبس بناتے ہوئے مشاورت میں شامل کیا تھا۔

ان کے خیال میں حکومت کی طرف سے تیار کیا گیا نیا نصاب آئین کے اس حصے کی بھی خلاف ورزی ہے جس میں اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت دی گئی ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ اس نصاب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے مضمون میں اسلامیات کا درس دیا جا رہا ہے۔

یاد رہے کہ پاکستان میں اس سال مارچ میں پہلی سے پانچویں جماعت تک کے طلبہ کی پڑھائی کے لیے نیا نصاب لاگو ہو جائے گا۔

پٹر جیکب کو انگریزی کی پہلی جماعت سے پانچویں جماعت تک کی نصابی کتب جبکہ اردو کی دوسری جماعت سے چوتھی جماعت تک کی نصابی کتب جائزہ لینے کے لیے دی گئی تھیں لیکن اس ماہ کے آغاز میں جب جیکب نے حتمی نصابی کتب دیکھیں تو وہ حیران رہ گئے۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ یہ بہت تشویشناک اور آئین کی خلاف ورزی ہے۔

پٹر جیکب کا کہنا ہے کہ یہ دستور پاکستان کے آرٹیکل 22 کی خلاف ورزی ہے جو اقلیتوں کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔

مذکورہ شق کے مطابق ’کسی بھی تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے والے کسی شخص کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اگر ایسی تعلیم کا تعلق اس کے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے ہو۔‘

پیٹر جیکب کا کہنا ہے کہ نئے نصاب میں ایسا لگتا ہے کہ ’آپ اردو کے مضمون میں اردو پڑھنے کے بجائے اسلامیات کا درس لے رہے ہیں۔‘

مسیحی کمیونٹی کی شکایت کیا ہے؟

پیٹر جیکب اور دیگر ماہرین نے نشاندہی کی کہ پاکستان میں دوسری جماعت کے لیے حال ہی میں متعارف کروائے گئے یکساں نصاب میں اردو کی ماڈل ٹیکسٹ بک کے پہلے صفحہ پر طالب علم سے ذیل مشق کرنے کا کہا گیا: 'سوچیں اور بتائیں اللہ تعالی نے ہمیں کون کون سی نعمتیں دی ہیں؟'

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 11 پر اساتذہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ 'بچوں سے نعت سنیں۔'

اس کے علاوہ ایک اور صفحے پر طلبہ کو کہا گیا ہے کہ 'اللہ تعالی ہمارا مالک ہے' کے عنوان والے مضمون کو 'ایک منٹ میں درست تلفظ اور روانی سے پڑھیں۔'

یہی نہیں بلکہ دوسری جماعت کے طلبہ کی اردو کی کتاب میں پبلک پالیسی کے ماہر پیٹر جیکب اور دیگر ماہرین تعلیم نے متعدد مقامات پر سرخ دائرے لگا کر اسلامی مواد کی موجودگی کی نشاندہی کی ہے۔

اردو کے علاوہ بھی دیگر مضامین میں اسلامی مواد کی موجودگی نظر آتی ہے۔

انھوں نے نشاندہی کی کہ چوتھی جماعت کی انگریزی کی ماڈل ٹیکسٹ بک کے پہلے صفحے پر ایک رہنما کی خصوصیات بتائی گئی ہیں جس کے بعد ایک تفصیلی مضمون چاروں خلفائے راشدین کے بارے میں ہے۔

پیٹر جیکب نصابی کتب کے جائزے میں لکھتے ہیں کہ چوتھی جماعت کی انگریزی کی کتاب کے مواد میں سے 23 فیصد سے زیادہ ایسا مواد ہے جو اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں آئین کی شق 22 کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

اسی طرح پانچویں جماعت کی انگریزی کی کتاب میں 21 فیصد سے زیادہ ایسی خلاف ورزیوں کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔

'لگ رہا ہے کہ بجائے ترقی کہ ہم 20 سال پیچھے چلے گئے ہیں'

مسیحی کمیونٹی سے تعلق رکھنے والی نرگس اعجاز کے بچے لاہور کے ایک درمیانے درجے کے نجی سکول میں پڑھتے ہیں اور حکومت کی جانب سے یکساں نصاب تعلیم کے تحت نیا نصاب ان کے لیے بچپن کی یادیں واپس لے آیا ہے جب انھیں اپنے سکول میں زبردستی اسلامیات پڑھنی پڑتی تھیں۔

بی بی سی اردو سے بات کرتے ہوئے نرگس کہتی ہیں کہ اُس زمانے میں ان کے پاس انتخاب کا اختیار ہی نہیں تھا 'لیکن اب لگ رہا ہے کہ بجائے ترقی کرنے کہ ہم 20 سال پیچھے چلے گئے ہیں۔'

اس نئے نصاب کو تیار کرنے والے ماہرین کو بھی غالباً احساس تھا کہ ان میں مذہبی مواد کافی زیادہ ہے اور اسی بنا پر ماڈل اردو کتاب کے ہر صفحے کے حاشیے میں تاکید درج کی گئی ہے کہ 'اساتذہ غیر مسلم طلبا کو اسلامی مواد پڑھنے پر مجبور نہ کریں۔'

اس پر محقق اور مورخ یعوب خان بنگش کا کہنا ہے کہ ویسے تو یہ ایک اچھا فیصلہ ہے کہ ہر صفحے پر اس بارے میں درج ہے لیکن وہ مزید کہتے ہیں کہ 'اگر اردو کے مضمون میں 40 فیصد نصاب اسلام پر مبنی ہو گا تو آپ کس طرح بچوں کو پڑھائیں گے؟ مثال کے طور پر اگر ایک جماعت میں 30 طلبہ ہوں اور ان میں سے دو غیر مسلم ہوں، تو آپ انھیں کیا کہیں گے؟ کہ آپ باہر جا کر بیٹھ جائیں؟'

یعقوب بنگش کے نزدیک زیادہ پریشان کن سوال یہ ہے کہ اردو یا انگریزی کی درسی کتاب میں اسلامی مواد سرے سے موجود ہی کیوں ہے؟

'اس پر مخالفت کرنے والوں کا قطعی طور پر یہ مطلب نہیں کہ وہ کسی مذہب کے خلاف ہیں۔ آپ اسلامیات بالکل پڑھائیں اور اچھی طرح سے پڑھائیں لیکن مذہب کی تعلیم کسی اور مضمون کا حصہ بنانے کی کیا تک ہے؟'

حکومت کا مؤقف

وفاقی وزیر تعلیم شفقت محمود والدین اور ماہرین تعلیم کی جانب سے اٹھائے جانے والے اعتراضات سے اتفاق نہیں کرتے۔

اردو اور انگریزی کی درسی کتب میں مذہبی متن کی موجودگی پر ان کا کہنا تھا کہ صرف اردو کی کتاب میں حمد، نعت اور سیرت النبی پر ایک تحریر ہے۔

'اگر بچوں کے کردار کی تعمیر میں ہم اپنے رسول اور نبی کی مثال نہیں دیں گے تو کس کی دیں گے؟'

وفاقی وزیر کا کہنا تھا کہ آٹھویں جماعت تک تمام سکولوں کو یکساں قومی نصاب ہی پڑھانا ہو گا لیکن اس کے بعد طلبہ کے پاس اختیار ہو گا کہ وہ برطانوی کیمبرج نظام تعلیم منتخب کریں یا کوئی اور بین الاقوامی نظام تعلیم اختیار کریں۔

پاکستان 21 کروڑ سے زائد آبادی والا ملک ہے لیکن عالمی ادارے یونیسف کے مطابق دنیا میں پانچ سے 16 سال کی عمر کے سب سے زیادہ ناخواندہ بچوں والے ملک کی فہرست میں پاکستان کا دوسرا نمبر ہے۔

یکساں نصاب تعلیم ہے کیا؟

وفاقی وزارت تعلیم و پیشہ ورانہ تربیت کی ویب سائٹ کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے یکساں نصاب تعلیم کو نافذ کرنے کے ارادے کے پیچھے کارفرما سوچ یہ ہے کہ تمام سرکاری و نجی سکول، حتیٰ کہ دینی مدارس یہ یقینی بنا سکیں کہ 'اعلی معیار کی تعلیم کے لیے بچوں کو مساوی اور منصفانہ مواقع فراہم ہونے چاہیے۔'

تاہم اقلیتوں کی طرف سے کی جانے والی شکایات کے علاوہ نئے نصاب کے معیار پر عموماً بھی والدین کی طرف سے سوالات اٹھائے گئے ہیں۔

وزارت کی ویب سائٹ کے مطابق یکساں نصاب تعلیم کا مقصد قرآن و سنت کی تعلیم کو فروغ دینے کے علاوہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے افکار سمیت طلبا میں رٹے رٹائے علوم کے بجائے تنقیدی و تخلیقی سوچ پیدا کرنا ہے۔

اس سال مارچ میں پہلی سے پانچویں جماعت تک کے طلبہ کی پڑھائی کے لیے نیا نصاب لاگو ہو جائے گا اور اس کے تحت انگریزی، جنرل سائنس، ریاضی، معاشرتی علوم اور جنرل نالج کے مضامین لازمی ہوں گے جبکہ غیر مسلم طلبہ کو اختیار ہو گا کہ وہ اسلامیات کے بجائے مذہبی تعلیمات کا مضمون پڑھ لیں۔

نیا نصاب تین مراحل میں لاگو کیا جائے گا۔ رواں سال مارچ میں پہلی سے پانچویں جماعت تک کے نصاب کے بعد اگلے سال چھٹی سے آٹھویں تک جبکہ اُس سے اگلے سال نہم سے بارہویں تک یکساں نصابِ تعلیم نافذ کر دیا جائے گا۔

https://avadhnama.com/muslim-world/%D9%85%D9%88%D8%AB%D8%B1-%D8%AA%D8%AF%D8%B1%DB%8C%D8%B3%DB%8C-%D8%AE%D8%B5%D9%88%D8%B5%DB%8C%D8%A7%D8%AA-2/

https://www.bbc.com/urdu/pakistan-56447543

سوال نمبر 2: معلم اسلامیات کو طلبہ کے لیے نمونہ ہونہ چاہیے بحث کریں؟

تعلیم و تربیت کا عمل ایک بڑا ہی مقدس ، اہمیت کا حامل اور مشکل عمل ہے ۔ اس کو نتیجہ خیز اور صحیح طریقہ پر انجام دینے اور اس میں کامیاب ہونے کے لئے معلم کے اندر چند اوصاف کا پایاجانا نہایت ضروری ہے ۔ جو درج ذیل ہیں:

اخلاص(۱):

ایک کامیاب معلم کے لئے سب سے پہلا اور ضروری وصف یہ ہے کہ وہ اپنے تدریس و تعلیم کے عمل میں مخلص ہو، اور اس کا اس عمل سے مقصد حصول رضائے الٰہی،احیاء علوم کتاب وسنت، شریعت اسلامیہ کی نشرو اشاعت،اصلاح معاشرہ،اور لوگوں کو شرک وکفر اور بدعات وخرافات سے نکال کر کتاب وسنت کی شاہراہ اور توحید وہدایت کے صراط مستقیم پر لگانا ہو۔

اس سے مقصد کوئی دنیوی غرض،حصول مال ودولت،جاہ و منصب،معاصرین پر فوقیت ، شہرت،طلبہ اور عوام کی بھیڑ جمع کرنا،دوسرے علماء کو شکست دے کر انہیں خاموش کر نا وغیرہ نہ ہو ۔
اس لئے کہ تعلیم وتعلّم ایک عبادت ہے جیسا کہ حدیث''''**مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَیْتٍ مِنْ بُیُوتِ اللَّہِ** ''الخ سے معلوم ہو تا ہے،اور عبادت کی صحت اور قبولیت کے لئے اخلاص اور صحیح نیت شرط ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ **وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِیَعْبُدُوا اللَّہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ حُنَفَاء وَیُقِیْمُوا الصَّلَاۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاۃَ وَذَلِکَ دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ** ﴾ (البینۃ: ۵) انہیں حکم نہیں دیا گیا مگر اس کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اس حال میں کہ وہ اسی کے لئے ا طاعت کو خالص کر نے والے ہوں۔

اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' **إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ، وَإِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَی ، فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہُ إِلَی دُنْیَا یُصِیبُھَا ، أَوْ إِلَی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا، فَھِجْرَتُہُ إِلَی مَا ھَاجَرَ إِلَیْہِ** ''(صحیح البخاري حسب ترقیم فتح الباري : 1/ 2 , صحیح مسلم : 48 /6)

تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے،اور ہرشخص کے لئے اس کی نیت کے مطابق اجر ہے ، چنانچہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کا سبب ہے،اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول یا کسی خاتون سے شادی کے لئے ہے اس کی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔
اورجب ہجرت جیسا عمل جس میں آدمی اپنے گھر بار اور اعزاء واقارب کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے بغیر سچی نیت کے عند اللہ مقبول اور مفید نہیں تو تعلیم وتدریس کا عمل بغیر اخلاص کے کیسے مقبول اور رضاء الٰہی کاموجب ہو گا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے دوسرے مؤلفین نے اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز فرمایا ہے، اور اس سے ان کا مقصد اس کتاب کے پڑھنے اور پڑھانے والوں کو متنبہ کرنا ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی اصلاح کرلیں،اور پڑھنے پڑھانے کا مقصد رضائے الٰہی اورا علاء کلمۃ اللہ کو بنالیں، کیونکہ اگر نیت درست نہیں تو یہ پڑھنا پڑھانا بے کار ، بلکہ وبال جان ہے، اور آخرت میں عذاب الٰہی کا موجب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' **مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لاَ يَتَعَلَّمُهُ إِلاَّ لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. يَعْنِى رِيحَهَا.** (رواه احمد وابوداود وابن ماجه وصححه الحاكم والذهبي ، وقال العراقي : جيد ، وقال الألباني : اسناده صحيح.مشكاة:۱،۷۸)

جس نے کوئی علم جس سے اللہ کی رضا مندی مطلوب ہو تی ہے دنیاوی فائدہ کے لئے حاصل کیا تو اس کو قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں ملے گی۔

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' **مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِىَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِىَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ** ''(رواه الترمذي وقال: غريب ، وقال الالباني:لكن يشهد له الحدثيان بعده . انظر المشكاة:۱،۷۷)

جو شخص اس واسطے علم حاصل کرتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے علماء پر فخر کرے،یا اَن پڑھ اور کم سمجھ لوگوں سے جھگڑا کرے، یا لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرے، تواللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں داخل کرے گا ۔

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' **إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ عليه رَجُلٌ اسْتُشْهِدَ فَأَتَى بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعْمَتَهُ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ: مَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ فَقَالَ: قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِكَ حَتَّى اسْتُشْهِدْتُ، قَالَ: كَذَبْتَ ولكنك قاتلت لأَنْ يُقَالَ: جَرِيءٌ فَقَدْ ثم أمر بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وعلمه وَقَرَأَ الْقُرْآنَ فَأَتَى بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ: مَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وعلمته وَقَرَأْتُ فيك الْقُرْآنَ وَعَلَّمْتُهُ، قَالَ: كَذَبْتَ ولكنك تعلمت العلم ليقال : عالم ، وقرأت القرآن ليقال : هو قارئ فَقَدْ قِيلَ ثم أمر بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مِنْ أَنْوَاعِ الْمَالِ فَأَتَى بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، فَقَالَ: مَا عَمِلْتَ فِيهَا ؟ فقَالَ: مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْءٍ تُحِبَّ أَنْ أُنْفِقَ إِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهِ لَكَ، قَالَ: كَذَبْتَ إِنَّمَا أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: فُلَانٌ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ فَأُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ حَتَّى أُلْقِيَ فِي النَّارِ ، وَرَجُلٌ وسَّعَ اللّٰهُ عَلَيهِ وأَعْطَاهُ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ ، فَأُتِيَ بِهِ فعرَّفهُ نِعَمَهُ، فَعَرَفَهَا، قَالَ:فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا؟ قَالَ:مَاتَرَكْتُ مِنْ سَبِيْلٍ تُحِبُّ أن يُنْفَقَ فِيهَا اِلاَّأَنْفَقْتُ فِيهَا لَکَ قَالَ:کَذَبْتَ، وَلٰکِنَّکَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ:هُوَ جَوَادٌ، فَقَدْ قِيْلَ، ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فسُحِبَ علٰى وَجْهِه ثُمَّ أُلقِيَ فِي النَّارِ''**(رواه مسلم،انظر المشكاة:۱،۷۱-۷۲)

سب سے پہلے قیامت کے دن جس کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ ایک شہید ہو گا،اس کو لایا جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتوں کی یاد دلائے گا، وہ ان نعمتوں کوپہچان لے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فر مائے گا کہ تو نے اس سلسلہ میں کیا عمل کیا ؟ تو وہ کہے گا کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ شہید کر دیا گیا، اللہ

تعالیٰ فر مائے گا تو نے غلط کہا، تو نے اس لئے جنگ کی تھی تاکہ تجھے بہادر کہا جائے، اور تجھے یہ کہا گیا۔ پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

دوسرا وہ شخص ہوگا جس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو تعلیم د ی اور قرآن پڑھا، اس کو بھی لا یا جائے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو اسے بتائے گا جن کا وہ اعتراف کرے گا ،پھر اللہ تعالیٰ اس سے فر مائے گا کہ تو نے اس کے بارے میں کیا عمل کیا ؟ وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لئے قرآن پڑھا، اللہ تعالیٰ فر مائے گا :تو نے کذب بیانی کی، تو نے علم اس لئے سیکھا تھا تاکہ تجھے عالم اور قاری کہا جا ئے ،اور لوگوں نے تجھے کہا، پھر اس کے بارے میں بھی حکم ہو گا اور منھ کے بل گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا ۔ تیسرا وہ شخص ہوگا جس کو اللہ نے ہر قسم کے مال ومتاع سے نوازا ،اس کو بھی لایا جائے گا اور اس کے سامنے بھی نعمتوں کا تذکرہ کیا جائے گا ،وہ ان کا اعتراف کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فر مائے گا کہ تو نے اس مال سے کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا :مولا میں نے کوئی راہ نہ چھوڑی جہاں تیری رضا کے لئے مال خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فر مائے گا تو نے کذب بیانی کی، تونے اس لئے مال خرچ کیا تاکہ تجھے سخی کہا جائے، اور وہ کہا گیا، پھر اس کے بارے میں بھی حکم دیا جائے گا اور منہ کے بل گھسیٹ کر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

اس واسطے اساتذہ و معلّمین کو سب سے پہلے اپنی نیتوں کی اصلاح کرنی چاہئے ،ان کا یہ عمل خالصۃً لوجہ اللہ ہونا چاہئے،اور تنخواہ اور دیگر مراعات کو اصل مقصد ہر گز نہیں بنا نا چاہئے،یہ سب ثانوی چیزیں ہیں اور انہیں ثانوی درجہ ہی میں ہی رکھنا چاہئے ،ورنہ آخرت میں ساری محنت رائیگا ں چلی جائے گی اور بڑے بھیانک انجام کا سامنا کرنا پڑے گا۔**اَعاذَنا اللّٰہُ مِن ھذِہِ البَلِیَۃِ و الخَسَارَۃِ۔**

:طلبہ کی تعلیم وتر بیت اور اصلاح کا حریص ہو نا (۲)

استاذکو اپنے طلبہ وطالبات کی تعلیم وتربیت اور اصلاح کا بہت حریص ہونا چاہئے،ان کی تعلیمی ترقی اور اصلاح کے لئے خود بھی خوب محنت کرنی چاہئے اور ان سے بھی خوب محنت کرانی چا ہئے ۔ اگر ان کے اندر کوتاہی اور غفلت دیکھے تو انھیں بار بار نصیحت کرے ۔ اچھی طرح سمجھائے، علم کی اہمیت وفضیلت بتائے ۔ان کی کامیابی اور ہدایت کے لئے دعائیں کرے۔ اوراگر اس کی محنت اور جد وجہد کے باوجود کوئی طالب علم راہ راست پر نہیں آتا تو اسے اس پر غم اور افسوس ہو ۔

ایک استاذکو اپنے طلبہ کی تعلیم وتربیت کی ہر وقت فکر رہنی چاہئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو معلم انسانیت تھے اور جن کی زندگی تمام اساتذہ ومعلّمات کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے آپ کو اپنی امت کی اصلا ح و ہدایات کی اس قدر فکر تھی کہ شب و روز اس کے لئے محنت کرتے،ہر طرح سے انھیں سمجھاتے،قر بانیاں دیتے،تکلیفیں برداشت کر تے،پھر بھی جب وہ راہ راست پر نہیں آتے اور ایمان اوررشد وہدایت کی راہ اور صراط مستقیم پر نہیں چلتے تو آپ کو ایسا غم ہو تاکہ لگتا اس کی وجہ سے آپ اپنے نفس کو ہلاک کر ڈالیں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کو خطاب کر کے فرماتا

ہے: **فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيْثِ أَسَفاً** (الکھف: ٦) لگتا ہے اگر یہ لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے تو آپ ان کے پیچھے اپنے نفس کو ہلاک کرڈالیں گے۔
اس واسطے اسوۂ نبوی کے مطابق اساتذہ و معلّمات کو بھی اپنے تلامذہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بھر پور محنت اورجدوجہد کرنی چاہئے۔طلبہ کو خوب شوق اور جذبہ سے پڑھانا چاہئے۔ کلاس میں ٹائم پاس نہیں کرنا چاہئے۔

(۳)تعلیم و تدریس سے دلچسپی :

کسی بھی عمل میں کامیابی کے لئے اس کا شوق اور دلچسپی سے انجام دینا ضروری ہے ،اگر کسی کام سے دلچسپی نہ ہو اور اسے بادل نخواستہ انجام دیا جائے تو پھر اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ اور جو شخص بھی کسی کام کو اپنے دل کی آمادگی اور ہنسی خوشی سے انجام نہیں دے گا اس میں وہ کامیاب نہیں ہوگا ۔ اس واسطے تعلیم و تربیت کے عمل میں کامیابی کے لئے بھی اس سے دلچسپی ہونا اور شوق و رغبت سے انجام دینا ضروری ہے اور کسی بھی استاذ اور معلمہ کو تربیت و تعلیم کا پیشہ اختیار کرنے سے قبل یہ جائز ہ لینا ضروری ہے کہ اس کے اندر اس کے لئے رغبت اور خواہش ہے یا نہیں ۔ اور وہ اس کام کو پورے شوق و ذوق اور دلچسپی سے انجام دے سکتا ہے یا نہیں ۔ اگر اس کے اندر اس کا شوق اور قلبی رجحان و میلان ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اس خار دار اور دشوار گذار وادی میں اسے قدم نہیں رکھنا چاہئے۔

کچھ لوگوں کو تعلیم و تدریس سے دلچسپی نہیں ہوتی ہے، مگر کسی کے دباؤ کی وجہ سے تدریس کا پیشہ اختیار کرلیتے ہیں اور نا کام رہتے ہیں ، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ پوری جرأت سے اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار کر کے اس پیشہ کو ترک کردیں اور جس کام سے دلچسپی ہو اس کو اختیار کریں۔ بعض لوگ کوئی کام نہ ملنے کی وجہ سے کسی مدرسہ میں پڑھانے لگتے ہیں ۔ اور بچوں کو محنت سے نہیں پڑھاتے ، بلکہ وقت گذاری کرتے ہیں اور دوسرا کام تلاش کرتے رہتے ہیں اور جیسے ہی دوسرا کام مل جاتا ہے مدرسہ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔یہ تعلیم اور طلبہ پر بڑا ظلم ہے ،ایسے حضرات عند اللہ جوا بدہ ہوں گے، مدرسہ کے ذمہ داروں کو بھی ایسے لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ جوذمہ داران مدارس ایسے لوگوں کو کم تنخواہ کی بنا پر تلاش کرتے ہیں وہ بھی بہت بڑی غلطی کا شکار ہیں۔انہیں اس سے احتراز کرنا چاہئے ،ورنہ وہ بھی عند اللہ مسؤل ہوں گے۔

(۴)وضع قطع ،صفائی ستھرائی اور اخلاق وغیرہ میں مثالی ہو نا:

اساتذہ کو شکل و صورت ، وضع قطع، لباس، صفائی ستھرائی ، اخلاق و محبت ، وعدہ وفائی ، کلاس میں حاضری ، روزہ، نماز ، وقت کی پابندی اور دیگر تمام ذمہ داریوں اور فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں اپنے آپ کو مثالی بنا کر رکھنا چاہئے ۔اس واسطے کہ طلبہ و طالبات ان کو اپنے لئے اسوہ و نمونہ اور آئیڈیل مانتے ہیں۔ انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔اور جتنا اعتماد انہیں اپنے اسا تذہ و معلّمات پر ہوتا ہے اتنا اعتماد انہیں اپنے والدین پر بھی نہیں ہوتاہے ۔ کیونکہ وہ انکو علم وفضل،تقوی وپرہیز گاری ، اخلاص واخلاق اور حکمت و دانائی میں اعلی معیار پر سمجھتے ہیں۔اس

واسطے اساتذہ و معلّمات کو ہمیشہ اپنے منصب ومقام کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور ہر چیز میں طلبہ وطالبات کے سامنے بہترین اسوہ پیش کرنا چاہئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو معلم انسانیت تھے آپ کی حیات مبارکہ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر نیک عمل میں دوسرں کے لئے اسوۂحسنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** ﴾ (الأحزاب: ۲۱) بیشک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہےحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور آپ کے ظاہری و باطنی اور خارجی و داخلی امور اور تمام حالات سے سب سے زیادہ واقف تھیں وہ فرماتی ہیں: '' **كَانَ خَلْقُهُ الْقُرْآنَ** '' (مسند أحمد بن حنبل: 6/ 91)آپ کا اخلاق اور آپ کی سیرت قرآن کریم کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

چنانچہ اگر آپ نے عبادت کا حکم دیا تو آپ کا حال یہ تھا کہ عبادت الٰہی کے لئے اتنی محنت کرتے اور راتوں کو اتنی دیر تک نمازیں پڑھتے کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا اور جب آپ سے کہا جاتا کہ آپ کے تو تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردئے گئے ہیں پھر آپ اس قدر کیوں عبادت کرتے ہیں ؟ تو آپ فرماتے:'' **أَفَلاَ أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا** '' کیا میں اللہ کا شکر /گزار بندہ نہ بنوں۔(صحيح البخاري حسب ترقيم فتح الباري : 2/ 63 , صحيح مسلم : 8 141)

آپ کے جو د و سخا کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بقول آپ سے جب بھی کوئی چیز طلب کی گئی آپ کی زبان مبارک سے کسی نے لفظ ''نا ''نہیں سنا ،ایک بار ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا توآپ نے اس کو اتنی بکریاں عطافرمائیں کہ اس نے اپنی قوم میں جاکر کہا : لوگو! اسلام قبول کرلو، کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا عطاکرتے ہیں کہ پھر فقر وفاقہ کا کوئی خوف نہیں رہتا ۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ،باب فی سخاوۃ (صلی اللہ علیہ وسلم: ۶٫۳۰

آپ کے زہد وقناعت کی یہ حالت تھی کہ چٹائی پر سوتے اور آپ کے بدن پر اس کے نشانات بن جاتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول!کیوں نہ ہم آپ کے لئے ایک بچھونا تیار کر دیں ، جسے آپ چٹائی پر بچھا لیا کریں۔ آ پ نے فرمایا: مجھے دنیا سے کیا لینا دینا ہے، میرا تو اس سے بس اتنا ہی تعلق ہے جیسے کوئی مسافر ایک پیڑ کے نیچے سستانے کے لئے کچھ دیر بیٹھے اور پھر وہاں سے چل د ے ۔(رواہ الترمذی وقال: ھذا حدیث حسن (صحیح

فقر و فاقہ پر صبر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی اور کرتہ اٹھا کر پیٹ پر بندھا ہو ا پتھر دکھایا اور کہنے لگے : اے اللہ کے رسول! ہم نے شدت بھوک سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا ہے ۔ آپ نے اپنے بطن مبارک سے چادر ہٹائی تو شکایت کرنے والے صحابی نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر ایک کے بجائے دو پتھر باندھ رکھے ہیں ۔ پھر وہ بھی صبر و رضا کا پیکر بن گیا ۔ (رواہ (الترمذی : ۴، ۵۸۵ (۲۳۷۱

آپ کے اللہ پر توکل و اعتماد اور حوصلہ کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ ایک غزوہ سے واپسی میں ایک منزل پر پہونچ کر آپ نے صحابہ کرام ث کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود بھی اپنی تلوار ایک ببول کے درخت پر لٹکا کر آرام فرمانے لگے ، تھوڑی دیر بعد ایک دشمن ادھر آنکلا ، آپ کو سوتا دیکھ کر اس نے موقع کو غنیمت سمجھا ،اورآپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے کر ناپاک ارادہ سے اسے سونتا کہ آپ کی آنکھ کھل گئی، آپ فوراً کھڑے ہو گئے ۔ دشمن نے تلوار دکھا تے ہوئے کہا:" **مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟**" اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے بڑے اعتماد اور حوصلہ و جرأ ت سے فرمایا: "**اللَّهُ** "، یہ سن کر اس کے ہاتھ پاؤں تھر تھر کانپنے لگے اور تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی، آپ نے تلوار اٹھا لی اور فرمایا: " **مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي ؟** " بتا ؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا ؟ یہ سن کر وہ دشمن (معافی مانگنے لگا اور آپ سے کبھی نہ لڑنے کا عہد کیا تو آپ نے اسے معاف کردیا۔(صحيح البخاري: 4/ 48

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت وریاضت ،جود وسخا، صدق وصفا ، امانت و دیانت، جرأت و شجاعت ، زہدو تقو ی ، صبر و ضبط ، اخلاق و محبت، وعدہ وفائی وغیرہ ہر چیز میں لوگوں کے لئے اسوہ و نمونہ تھے ۔

اسی طرح اساتذہ و معلمات کو بھی اپنے تلامذہ کے لئے ہر اچھی چیز میں اسوہ اورنمونہ ہونا چاہئے، ورنہ ان کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ حسن عمل اور اعلی کردار کے بغیر نہ تعلیم و تر بیت مؤثر ہوتی ہے ،نہ وعظ و نصیحت ۔ بلکہ اس پر اللہ کی وعید ہے، ارشاد خدا وندی ہے: **چيَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (2) كَبُرَ (مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ** چ (الصف: ۲ – ۳

اے مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر خود عمل نہیں کرتے، اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ اور ناراضگی کی بات ہے کہ تم لوگ ایسی باتیں کہو جن کو تم خود نہیں کرتے ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک شخص کو لا کر جہنم میں ڈالا جائے گا ۔ جہنم میں اس کی انتڑیاں با ہر آجائیں گی اور وہ ان کے درمیان اس طرح چکر کاٹے گا جیسے گدہا چکی کولے کر گھومتا ہے، یہ دیکھ کر اہل جہنم اس کے ارد گرد جمع ہوجائیں گے اور کہیں گے: اے فلاں! یہ تم کو کیا ہوا؟ کیا تم دنیا میں لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع نہیں کرتے تھے ؟ وہ کہے گا: ہاں ایسا ضرور تھا، لیکن میں تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتا تھا اور خود نہیں کرتا تھا ، اور تمہیں بری باتوں سے روکتا تھا (اور خود کرتا تھا ، اس واسطے آج مجھے یہ سزا دی گئی ہے۔(متفق علیہ
بہر حال اساتذہ و معلّمات کو اعمال صالحہ ، اخلاق فاضلہ، شکل و صورت، لباس اور وضع قطع، منکرات و محرمات سے اجتناب اور ہر اچھی چیز میں اپنے طلبہ و طالبا ت اور تمام لوگوں کے لئے بہتر ین نمونہ ہونا چاہئے۔ اسواسطے کہ

طلبہ کلاس میں صرف استاذ کے درس اور لیکچر کو نہیں سنتے، بلکہ ان کے لبا س ، وضع قطع ،عادت و اطوار اور عقائد و خیالات وغیرہ کا بھی اثر لیتے ہیں ۔ لہٰذا اگر اساتذہ کر ا م طلبہ کی صحیح تعلیم و تربیت کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنا جائزہ لیں اور جو اعلیٰ اقداروا‌وصاف ان کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں پہلے اپنے اندر پیدا کریں ۔طلبہ میں ا نہیں چیزوں کا انعکاس ہوگاجو اساتذہ میں ہوگا ۔

:باصلاحیت ہونا(۵)

ایک مدرس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس فن یا کتاب کو پڑھانے کے لئے لے اس میں اسے اچھی طرح مہارت حاصل ہو ،یا کم از کم اس کے اندر اتنی لیاقت اور صلاحیت ہو کہ وہ مطالعہ کرکے اس کی تیاری کرسکے اور طلبہ کو اسے اچھی طرح پڑھاسکے اور اس کا حق ادا کرسکے ۔ اگر کسی کے اندر اتنی علمی لیاقت نہ ہو تو اس کے لئے تدریس کا عمل مناسب نہیں ، البتہ اگر وہ بڑی جماعت کی کتابوں اور طلبہ کو نہ پڑھاسکتا ہو مگر چھوٹی جماعتوں میں تدریس کا عمل بآسانی انجام دے سکتا ہو تو بلا تکلف صدر مدرس سے اظہار حقیقت کر کے جس جماعت کی کتابوں کو بآسانی پڑھاسکتا ہو اس کی گھنٹیاں لے لے ۔ اور اگر کوئی خاص مضمون یا خاص کتاب پڑھانے میں اس کے لئے پریشانی ہوتو ذمہ داروں سے کہہ کر اس کے بدلے دوسرا مضمون یا کتاب لے لے ،ویسے نئے مدرسین کے لئے زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ کسی بھی فن کو اس کی ابتدائی کتابوں سے پڑھانا شروع کریں اور جب ایک دو سال اسے پڑھالیں اور اچھی طرح اس کتاب کو سمجھ لیں اور اطمینان ہوجائے تب اس سے اونچی کتاب پڑھائیں ، اس طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہیں اور پھر بڑی بڑی کتابوں کو پڑھانے لگیں ۔

بعض اساتذہ کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ ذہین ، محنتی اور با صلاحیت و باہمت ہوتے ہیں اور شروع ہی سے بڑی کتابیں پڑھانے لگتے ہیں مگر ایسا کم اور عموما چھوٹے مدارس میں ہوتا ہے۔ بہر حال مدرس جو فن یا کتاب پڑھائے اس کو اس پر دسترس اور عبور ہونا چاہئے اور بلا صلاحیت اور علم کے پڑھانا درست نہیں ،ارشاد باری ہے : ﭽ **وَلاَ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَکَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ أُولئِکَ کَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً** ﭼ (الإسراء: ٣٦) جس چیز کاتمہیں علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو، بیشک کان ، آنکھ اور دل کے بارے میں ان میں سے ہر ایک سے سوال کیا جائے گا ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﭽ **قُلْ َهذِهِ سَبِيْلِیْ أَدْعُو إِلَی اللّٰہِ عَلَی بَصِيْرَۃٍ أَنَاْ وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ** ﭼ(یوسف: ١٠٨)اے نبی کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے ، میں اور میرے متبعین بصیرت کے ساتھ اللہ کی جانب دعوت دیتے ہیں ۔

:متواضع ہونا(۶)

استاذ کو ہمیشہ متواضع ہو نا چاہئے، اور تعلي اور فخرو مباہات سے اجتناب کرنا چاہئے ،تواضع ہر آدمی کا بہترین زیور ہے، اس سے اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتاہے،لوگ اس سے محبت اور اس کی مجلسوں سے خوب استفادہ کرتے ہیں ،اور متکبرشخص سے لوگوں کو نفرت ہوتی ہے،کہتے ہیں جو درخت جتنا زیادہ پھل دار ہوتا ہے وہ اتنا ہی جھکا ہوا ہوتا ہے ،اسی واسطے جس استاد کے پاس جتنا زیادہ علم ،صلاحیت اور تقوی وپرہیزگاری ہو اسے اتنا ہی

متواضع ہونا چاہئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بعض اوقات کوئی اعرابی آجاتا اورآپ کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آتا، مگر آپ خندہ پیشانی سے اس کو جواب دیتے اور صبر وضبط سے کام لیتے ۔تواضع آپ کا شیوہ تھا، آپ خود تکبر اور فخرو مباہات سے بچتے تھے اور صحابہ کرامث کو بھی بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

ہمارے اسلاف کے تواضع کا یہ حال تھا کہ جب ابو جعفر منصور نے حج کیا تو وہ مدینہ منورہ بھی آیا ،وہاں اس نے امام مالک رحمہ اللہ کو بلایا اور کہا : میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب ''الموطأ'' کے متعدد نسخے بنوا ؤں اور ایک ایک نسخہ ہر شہر میں بھیج دوں اور لوگوں کو حکم دوں کہ جو مسائل اس میں ہیں انھیں پر عمل کریں ۔اور ان کے علاوہ جو مسائل ان کے پاس ہوں ان کو ترک کریں ۔کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں اس کی اصل اہل مدینہ کی روایت اور ان کا علم ہے ۔مگر امام مالک رحمہ اللہ نے عرض کیا : امیر المؤمنین! ایسا نہ کیجئے ،لوگوں کے پاس اس سے پہلے بہت سی باتیں پہونچی ہیں ،لوگوں نے بہت سی حدیثیں سنی ہیں،صحابہ کے اقوال و فتاوی پر ان کا عمل ہے ،اور اب ان کے لئے ان فتاووں اور احادیث کا چھوڑنا بہت گراں اورمشکل ہو گا۔اس واسطے جن مسائل پر وہ عمل کرتے ہیں انھیں کرنے دیجئے اور اس کتاب پر عمل کرنے پر مجبور نہ کیجئے ۔

ایک مرتبہ عبد الرحمن بن قاسم رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے کہا: اہل مصر سے زیادہ میں کسی کو بیوع کا علم رکھنے والا نہیں جانتا، امام مالک رحمہ اللہ نے پوچھا : ایسا کیوں ہے ؟ انھوں نے عرض کیا : آپ کی وجہ سے ۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: میں تو خود بیوع نہیں جانتا ،پھر وہ لوگ میری وجہ سے اس کو کیسے جانیں گے ؟ یہ تھا اما م مالک رحمہ اللہ کا تواضع۔

اور اس میدان میں امام مالکؒ اکیلے نہیں ہیں، بلکہ ہمارے اسلاف کا یہی طریقہ تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے : میری خواہش ہے کہ لوگ مجھ سے یہ علم سیکھ لیں اور اس کی نسبت میری جانب نہ کریں اور نہ ہی لوگ میری تعریف کریں، تاکہ مجھے اس کا اجرو ثواب ملے ۔

بہر حال استاذ کو تواضع اختیار کرنا چاہئے اور کبر و نخوت اور بیجا ڈینگ ہانکنے سے اجتناب کر نا چاہئے۔

:باہمّت ہونا(۷)

ایک استاذ کوباہمت اور بارعب ہونا چاہئے، تاکہ وہ پوری جر ا ء ت اور اطمینان قلب کے ساتھ طلبہ کو کلاس میں پڑھا سکے ،ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کر سکے ، ان کے اعتراضات اور سوالات کے جواب دے سکے ، ان کے ساتھ بحث و مباحثہ کر سکے ۔ اور اس کے رعب کی وجہ سے طلبہ مطالعہ کرکے اور سبق و آموختہ یاد کرکے آئیں ، اور ہوم ورک وغیرہ کرنے میں سستی نہ کریں ، اس کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھیں،اور ادارہ کے اصول و ضوابط کی پابندی کریں۔

شروع شروع میں ہر استاذ و معلمہ کو کلاس میں طلبہ کے سامنے کھڑے ہونے اور بولنے اور اسباق کے پڑھانے میں کچھ خوف محسوس ہوتا ہے اور گھبراہٹ ہوتی ہے ، لیکن آہستہ آہستہ یہ خوف ختم ہوجاتا ہے، ہمت مضبوط اور جھجک

دور ہوجاتی ہے ، اور پھر ایسی عادت ہوجاتی ہے کہ درس اور لیکچر وغیرہ میں ذرا بھی پریشانی نہیں ہوتی ۔ مگر کچھ لوگ دل کے بڑے کمزور اور پست ہمت ہوتے ہیں ، اور کلاس میں جانے کے تصور سے ہی وہ پریشان ہوجاتے ہیں ، اور کلاس میں پہونچ کر تھر تھر کانپنے لگتے ہیں ،ہوش و حواس کھو دیتے ہیں ، زبان خشک ہوجاتی ہے ، چہرے کا رنگ فق ہوجاتاہے اور جب بھی پڑھانے جاتے ہیں ان کا یہی حال ہوتا ہے ، چنانچہ نہ وہ درس کی تشریح خاطر خواہ انداز میں کر پاتے ہیں ،نہ کلاس میں طلبہ پر کنٹرول کرپاتے ہیں، نہ طلبہ پر ان کا رعب رہتا ہے کہ اسباق و آموختہ یاد کر یں اور ہوم ورک کرکے لائیں، نہ وہ طلبہ سے ادارہ کے قوانین کی پابندی کراپاتے ہیں ، اس طرح وہ تعلیم و تربیت کے عمل میں بالکل ناکام رہتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو تعلیم و تربیت کا عمل ترک کر کے کوئی دوسرا کام کرنا چاہئے ، اور اس میدان میں انھیں لوگوں کو قدم رکھنا چاہئے جن لوگوں کے پاس ہمت و جرأت ہو، جو اپنی بات کو بلا جھجک طلبہ کے سامنے پیش کرسکیں ،جو عبارت خوانی اور مسائل کی تشریح کرتے وقت نہ گھبرائیں ،نہ ڈ ریں ،جو طلبہ پر کنٹرول کرسکیں، جو طلبہ کے اعتراضات کا بے با کی سے جواب دے سکیں، جو ان کی شرارتوں اور شور ہنگاموں سے دل برداشتہ نہ ہوں، بلکہ کمال جرا ء ت ودانشمندی سے ان کا علاج کر سکیں، جو حق بات کہیں اور " ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم" کی تصویر بنے ہوئے بیٹھے نہ رہیں۔

بہر حال اخلاص وعلم کے ساتھ اساتذہ ومعلمات میں مناسب جراء ت وہمت کی بھی ضرو ر ت ہے۔اس کے بغیر تعلیم وتربیت کا عمل صحیح طریقے پر انجام نہیں دیا سکتا۔

خوش اخلاق وملنساربونا(۸):

معلم کو بڑاہی خوش اخلاق ، صابر ،ملنسار اور خوش طبع ہونا چاہے، اسے طلبہ وطالبات سے ہمیشہ خندہ پیشانی اور نرمی سے پیش آنا چاہئے۔انھیں اپنے بچوں کی طرح سمجھنا چاہئے،ان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرنا چاہئے ، اگر کوئی طالب علم بیمار ہو تو مزاج پرسی کرنا اور اس کے دوا علاج کی فکر کرنی چاہئے ،چھوٹے بچوں کو تسلی دینا اور حال چال معلوم کرنا چاہئے ،اگر کوئی بچہ غریب اور مالی اعتبار سے کمزور ہے تو بقدر استطاعت اس کی مدد کرنا یا سفارش کرنا چاہئے ۔اسی طرح اگر کوئی بچہ پڑھنے میں کمزور ہے تو درس سے خارج اوقات میں اس کو پڑھا دینا یا کسی اچھے اور ذہین طالب علم کو اسے پڑھانے کے لئے لگا دینا چاہئے ، اس سے ان کی ہمت افزائی ہوتی ہے ،مدرسہ اور اس کے ماحول سے وہ جلدمانوس ہوجاتے ہیں اور پڑھنے میں ان کا دل لگنے لگتا ہے اور کامیاب ہو جاتے ہیں اور کبھی ان سے بے ادبی اور نالائقی سرزد ہو جائے تو ان سے الجھنے کی بجائے عفو و درگذر سے کا م لینا ، محبت سے انھیں سمجھانا اور اصلاح کرنے کی کوشش کرناچاہئے ۔ اور جب اس سے کام نہ چلے تب زجر وتوبیخ اور سزا کے طریقے استعمال کرنا چا ہئے ۔

بعض علماء کرام نے لکھا ہے کہ بچوں کی اصلاح وسزا کے سلسلہ میں وہی اسلوب اور طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو بیو ی کی اصلاح کے لئے شریعت اسلا میہ نے بتا یا ہے ،یعنی پہلے انہیں اچھی طرح سمجھانا چاہئے ، اس سے کام نہ چلے توزجر وتوبیخ کرنا چاہئے ،اس سے بھی کام نہ چلے تو ان سے بات چیت بند کردینا چاہئے، اور اس سے بھی کام

نہ چلے تب سزادینا چاہئے، مگر اصلاح کی نیت سے اور مناسب اور ہلکی سزا دیں اور چہرے اور نازک وحساس اعضاء پر نہ ماریں ،مقصد اصلاح ہو، تعذیب نہ ہو ، اور طلبہ کی اصلاح و تربیت میں ان کے سرپرستوں اور دیگر اساتذہ اور ذمہ داروں سے بھی مدد لیں اور جب کسی طرح اصلاح نہ ہو سکے تب اخراج کی سفارش کریں۔

اسی طرح اساتذہ کو اپنے زملاء ،طلبہ کے سرپرستوں اور ادارہ کے ذمہ داروں وغیرہ کے ساتھ بھی خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے،اس سے طلبہ وغیرہ پر بڑا اچھا اثر پڑتا ہے، ان کی اخلاقی تربیت ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے تعلق خاطر اور محبت ہوتی ہے اور وہ بھی ان کی عزت واحترام اور قدر کر نے لگتے ہیں۔

:زبان وبیان پر قدرت رکھنا(۹)

اساتذہ و معلّمات کو زبان وبیان پر بھر پور قدرت ہو نی چاہئے، تا کہ وہ مضمون ،طلبہ کے معیار، اور حالات وظروف کے مطابق مناسب الفاظ میں اپنے مافی الضمیرکی تعبیر کر سکیں اور اپنی باتوں کو طلبہ کے سامنے اسطرح پیش کر سکیں کہ وہ جلد از جلد اور اچھی طرح سمجھ جائیں اور وہ باتیں ان کے دل وماغ کو اپیل کر سکیں اور ذہن میں راسخ ہو جائیں۔ ان کا اسلوب خوبصورت اوردلکش ہونا چا ہئے، ان کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ مختلف پیرائے میں اپنی باتوں کو سمجھا سکیں اور وقت پر منا سب الفاظ اور جملوں کا استعمال کر سکیں۔ تذکیر وتانیث اور واحد و جمع کے استعمال اور رعایت میں ان سے غلطی نہ ہو۔ وہ الفاظ کے صحیح تلفظ سے واقف ہوں اور انھیں ان کے مخارج کی رعایت کر کے ادا کرتے ہوں، انھیں اچھے اچھے جملے، مثالیں، آیات واحادیث ،حکماء کے اقوال ، مصطلحات ، ضرب الامثال اور اشعار وغیرہ مناسب مقدار میں یادہوں اور ان کابروقت استعمال جانتے ہوں۔ اور زبان و ادب کے اصول وضوابط کی رعایت کرتے ہوئے خوبصورت اور فصیح وبلیغ جملوں کا استعمال کرنے کی قدرت رکھتے ہوں ، ان کی ہر بات مدلل اور دلنشین ہو اور زبان میں لکنت اور تتلاہٹ نہ ہو۔

معلوم رہے کہ استاذ کو جس قدر زبان وبیان پر قدرت ہو گی اور وہ اپنی باتوں کو جس قدر مختلف انداز، متعدد اسالیب اور آسان پیرائے میں سمجھانے کی صلاحیت رکھے گا اسی قدر وہ تعلیم و تر بیت کے میدان میں کامیاب ہوگا۔اسی واسطے انبیاء علیہم السلام کو فصاحت وبلاغت، اور زبان وبیان کی بڑی اعلی صلاحیتوں سے نوازا گیا تھا،ان کی زبان بڑی ادبی اور معیاری ہوتی تھی، بڑے ادباء اور فصحاء وبلغاء اس میں کوئی عیب نہیں نکال سکتے تھے، وہ جس وقت قوم سے خطاب کرتے ایک سماں بندھ جاتا ، لوگوں سے گفتگو فرماتے تو ان کا اسلوب اور بیان اتنا موثر ہو تا کہ لگتا مخاطبین کے دل و دماغ پر انھوں نے جادو کر دیا ہے، اسی واسطے ان کے مخالفین لوگوں کو ان سے ملنے اور گفتگو کر نے سے منع کرتے تھے اور اس کے لئے بھر پور جدوجہد کرتے تھے ،حضرت موسی علیہ السلام کی زبان میں بعض اسرائیلی روایتوں کے بموجب بچپن میں منھ میں انگارہ رکھ لینے کی وجہ سے لکنت ہوگئی تھی اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ ان سے زیادہ فصیح اللسان تھے ، اس لئے انھوں نے اپنی مدد کے لئے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کو نبوت عطا کرنے کی دعا کرتے ہوئے عرض کیا: ﴿ **وَأَخِیْ ہَارُونُ ہُوَ أَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَاناً فَأَرْسِلْہُ مَعِیَ رِدْءاً یُصَدِّقُنِیْ إِنِّیْ أَخَافُ أَن یُکَذِّبُونِ** ﴾ (القصص: ٣٤) اور میرابھائی ہارون(علیہ السلام)مجھ سے زیادہ فصیح زبان والا ہے، پس تو اسے بھی میرا مددگار بناکر بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے، مجھے ڈر ہے کہ وہ سب مجھے جھٹلا دیں گے۔

پھر اللہ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﭽ **قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَاناً فَلَا يَصِلُوْنَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ**ﭼ (القصص: ۳۵) ہم تیرے بھائی کے ساتھ تیرا بازو مضبوط کردیں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے ،چنانچہ فرعونی تم تک پہونچ ہی نہیں سکیں گے، ہماری نشانیوں کی وجہ سے تم اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب ر ہیں گے۔

بہر حال تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں زبان وبیان پر قدرت اور فصاحت وبلاغت کی بڑی اہمیت ہے، اس واسطے اساتذہ کرام کو اس کے لئے بھی محنت کرنا چاہئے اور ان کے اندر یہ صلاحیت بھی وافر مقدار میں ہونا چاہئے۔

:حالات حاضرہ اور جدید مسائل سے واقف ہونا(۱۰)

اساتذہ کرام کو حالات حاضرہ، عصر حاضر کے جدید مسائل اور نئے سماجی ومعاشرتی امور سے بھی واقف ہونا چاہئے، تاکہ وہ نصوص کتاب وسنت اور ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں ان پر گفتگو اور تبصرہ کرسکیں اور اپنے دروس ومحاضرات اور خطبات وغیرہ میں موقع و محل کی مناسبت سے انکی تاریخ ، پس منظر،اسباب وعلل،ان میں حصہ اور دلچسپی لینے والے عناصر اور ان کے اغراض ومقاصد،صحیح حقائق،تدلیسات وتلبیسات، ان کا صحیح حل اور طریقِ کار وغیرہ کے بارے میں تفصیلی روشنی ڈال سکیں۔ اور بہت سے عالمی ،علمی، سیاسی، سماجی اور تعلیمی مسائل کے سلسلے میں جو طلبہ کے ذہنوں میں اشکالات اور الجھنیں رہتی ہیں وہ دور کر سکیں، تاکہ وہ قوم وملت کی قیادت وسیادت،معاشرے کی خدمت ا ور ان کے مسائل کا حل اطمینان قلب اور انشراح صدر کے ساتھ پیش کر سکیں۔اس کی خاطر انہیں اخبارات وجرائد اور دیگر وسائل اعلام ونشر واشاعت سے استفادہ کرنا چاہئے۔بڑے بڑے علماء ومفکرین کے افکار وخیالات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور کتاب وسنت کے نصوص پر غور کر کے صحیح رائے اورفکر تک پہونچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور انہیں کنویں کا میڈک بن کر ہر گز نہیں رہنا چاہئے۔بلکہ انہیں مقامی، ملکی اور عالمی حالات سے پوری واقفیت رہنی چاہئے۔تبھی وہ تعلیم وتربیت کے حقیقی مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں۔
اور ان کی تعلیم وتربیت سے فقہاء، محدثین،مجددین، مفکرین،مصلحین اور قائدین پیدا ہو سکتے ہیں۔ دنیا میں کوئی صالح انقلاب آسکتا ہے۔اورانسانیت کی صحیح تعمیر اور قوم وملت کی اصلاح وبیداری کا کام ہوسکتا ہے، ورنہ نہیں۔

:بچوں کی نفسیات وغیرہ سے واقف ہونا (۱۱)

استاد کو بچوں کی نفسیات، ان کی ذہنی وجسمانی صلاحیت، ان کے گھر کے حالات وماحول اور مزاج وغیرہ سے اچھی طرح واقف ہونا چاہئے، اسے معاملہ شناس، زیرک اور ہو شیار ہونا چاہئے تاکہ ان سب امور کا اعتبار کرتے ہوئے تعلیمی عمل کو انجام دے اور کامیابی اس کی قدم بوسی کرے۔ورنہ نتیجہ اس کے برعکس ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ (وسلم کاارشاد گرامی ہے :'' **نحنُ معشرَ الأنبياءِ أُمِرنَا انْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُم ونُكَلِّمَهُمْ عَلٰى قَدْرِعُقُوْلِهِمْ** ''۔(رواہ ابوداود ہم انبیاء کی جماعت کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے مراتب ودرجات کا خیال رکھیں اور ان سے ان کی عقلی صلاحیت کے مطابق گفتگو کریں۔

چنانچہ علم کی قدروقیمت سے نا آشنا،تعلیم اور مدرسے سے نفرت رکھنے والے طلباء کے سامنے علمی موتیوں کو بکھیرنے سے قبل انھیں علم کی قدروقیمت اور اہمیت وفضلیت بتانی چاہئے اور جب وہ اس کے قائل اور قدرداں ہو جائیں اور ان کے اندر حصول علم کا شوق ہوجائے تب ان کے سامنے علمی باتیں پیش کرنی چاہئے ،ورنہ اس کی مثال ایسے ہو گی جیسے کوئی خنزیروں کی گردنوں میں سونے کا ہار پہنائے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب ایک قول ہے:''**لَا تَطْرَحِ اللُّوْلُوَ اِلی الْخِنْزِیْرِ ،فَاِنَّ الْخِنْزِیْرَ لاَ یَصْنَعُ بِاللُّوْ لُؤ شَیْئاً، وَلَا تُعْطِي الْحِکْمَةَ لِمَنْ لاَ یُرِیْدُھَا فَاِنَّ الْحِکْمَةَ خَیْرٌ مِّنَ اللُّوْ لُوؤ، وَمَنْ لَا یُرِیْدُھَا شَرٌّ مِّنَ الْخِنْزِیْرِ**'' خنزیر کو موتی نہ دو، کیونکہ خنزیر موتی لے کر کچھ نہیں کرے گا ،اور حکمت اس کو نہ دو جو اس کا خواہش مند نہ ہو کیونکہ حکمت موتی سے بہتر ہے ،اور جو اسے نہ چاہے وہ سور سے بھی بدتر ہے۔(جامع بیان العلم وفضلہ: ص۱۳۲)

اساتذہ کو چاہئے کہ تعلیم وتربیت میں ہمیشہ طلبہ وطالبات کی نفسیات کا خیال کریں۔جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لحاظ فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:یا رسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سن کر قریب تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔مگر آپ نے فرمایا:اسے چھوڑ دو اور میرے قریب آنے دو۔جب وہ آپ کے قریب آگیا تو آپ نے فرمایا:''**أَتُحِبُّهُ لأُمِّکَ**''کیا تم یہ بری حرکت اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے؟اس نے جواب دیا:اللہ کی قسم۔نہیں، اورکوئی بھی اپنی ماں کے ساتھ زنا کو کیسے پسند کرسکتا ہے؟پھر آپ نے اس کی لڑکی،بہن،پھوپھی اور خالہ کی مثال دے کر پوچھا کہ ان میں سے کسی کے لئے تم زنا کو پسند کرتے ہو؟اس نے سب کا جواب نفی میں دیا۔پھر آپ نے فرمایا:اسی طرح کوئی شخص بھی پسند نہیں کرے گا کہ تم اس کی ماں، بیٹی،بہن، پھوپھی یا خالہ کے ساتھ زنا کرو۔اس سے زنا کی قباحت اس کے ذہن میں بیٹھ گئی اور آپ کی باتوں پر مطمئن اور زنا کی حرمت کا قائل ہوگیا۔پھر آپ نے اس کے جسم پر اپنا دست مبارک پھیرا اور اس کے حق میں یہ دعا کی:''**اللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَھِّرْ قَلْبَهُ ،وَحَصِّنْ فَرْجَهُ**''(رواہ الطبرانی)اے اللہ اس کے گناہ معاف فرمادے،اس کا دل پاک کردے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

اس حدیث کے راوی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ کی اس دعا کے بعد وہ نوجوان کبھی کسی برائی کی جانب مائل نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ بنی فزارہ کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:یا رسول اللہ!میری بیوی نے ایک کالے رنگ کا بچہ جنا ہے،حالانکہ میں گورا ہوں اور میری بیوی بھی گوری ہے۔آپ نے فرمایا:کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟اس نے جواب دیا:ہاں یا رسول اللہ! آپ نے پوچھا :ان کا رنگ کیسا ہے؟جواب دیا:ان کا رنگ سرخ ہے،آپ نے فرمایا کیا تمہارے اونٹوں میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟جواب دیا:ہاں،پھر آپ نے فرمایا: یہ رنگ کہاں سے پیدا ہوگیا؟ اس نے جواب دیا: اس کی گذشتہ پشت میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ رہا ہوگا، جس کا اثر اس پر آگیا ہے۔آپ نے فرمایا:اسی طرح تمہاری یا تمہاری بیوی کی گذشتہ پشت میں کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہوگا جس کا اثر تمہارے نو مولود بچے پر آگیا ہے۔(صحیح مسلم : 4/ 211)

یہ سن کر وہ شخص مطمئن ہوگیا اور دربار رسالت سے اطمینان ویقین کی دولت لے کر واپس گیا۔بہر حال اساتذہ کو اپنے طلبہ اور مخاطبین کی نفسیات،مزاج ،ماحول اور ذہنی وعقلی صلاحیت وغیرہ کا بھر پور علم ہونا چاہئے۔اور تعلیم وتدریس میں برابر اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

:مز من امراض اور بڑے جسمانی عیوب سے خالی ہونا(۱۲)

تعلیم وتربیت کے عمل کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے ضروری ہے کہ استاذ کسی مزمن اور بڑی بیماری میں مبتلا نہ ہو۔کیونکہ اگر استاذ کسی مزمن مرض میں مبتلا ہو تو وہ تعلیم وتربیت جیسے اہم اور مشکل عمل کو صحیح طور سے انجام نہیں دے سکتا اور اس کے لئے جتنی محنت کرنی چاہئے وہ محنت نہیں کرسکتا۔نیز اپنی مستقل بیماری کی وجہ سے وہ بکثرت غیر حاضری کرے گا جس کی وجہ سے بھی تعلیم کا نقصان ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی استاذ کے اندر کوئی بڑا جسمانی عیب یا ملفت نظر چیز پائی جاتی ہے تو اس کا بھی تعلیم پر برا اثر پڑے گا۔جیسے کوئی شخص بہت ناٹا یا بونا ہے تو اس کے لئے تعلیم وتربیت کے عمل میں خاصی پریشانی ہوگی اور شریر ومنچلے لڑکے اس کو دیکھ کر ہنسیں گے،مذاق اڑائیں گے اور پیٹھ پیچھے برے القاب سے پکاریں گے۔اور کلاس پر کنٹرول کرنا اور صحیح طور سے پڑھانا اس کے لئے مشکل ہو جائے گا۔کوئی ٹیبل پر بیٹھنے ،کوئی کرسی پر کھڑا ہونے کے لئے کہے گا ،کوئی اس کی کتاب لینے اور کوئی خود اسے گود میں اٹھانے کی کوشش کرے گا۔اس طرح اس سے تعلیم وتربیت کا عمل صحیح طور پر نہیں ہو پا ئے گا۔

اسی طرح اگر کوئی بہت موٹا یا بہت لمبا تڑنگا ہے تو وہ بھی لوگوں کے لئے ملفت نظر ہوگا اور طلبہ درس کو توجہ سے سننے کے بجائے اس کے مٹاپے اور قد وقامت پر غور وفکر اور تبصرہ کریں گے۔ اور شریر لڑکے ''موٹو ''اور'' لمبو ''کہہ کر تنا بز بالا لقاب کے گناہ کاارتکاب کریں گے۔

اسی طرح اگر کوئی ملفت نظر حد تک لنگڑا یا لولا ہے تو اس کو بھی تعلیم میں پریشانی ہوگی۔کم سننے اور کم دیکھنے والے اور بہت زیادہ ہکلانے والے استاذ کے لئے بھی دشواریاں ہوں گی۔اور بالکل بہرے یا گونگے شخص کے لئے تو پڑھانا ناممکن ہے۔ نابینا شخص کے لئے بھی تدریس کا عمل پریشان کن ہوتا ہے۔البتہ اگر مہذب،باوقار اور اہل علم کی دل سے عزت وقدر کرنے والے بڑی جماعت کے طلبہ ہوں تو باصلاحیت اساتذہ سے بعض جسمانی عیوب کے باوجود استفادہ کرسکتے ہیں۔اور ایسی صورت میں انہیں ایک معلم اور مربی کی حیثیت سے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ورنہ عام حالات میں اصحاب مدارس وجامعات کو اس پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اور ایسے علماء کرام اور با صلاحیت حضرات سے دوسرے طریقوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔بہر حال ان میں سے ا کثر صفات از قبیل کمالیات ہیں ،جن کا حتی الامکان لحاظ کرنا چاہئے۔ لیکن کچھ استثنائی اور مخصوص صورتوں میں انہیں نظر انداز کیا جاسکتا ہے

https://teachinurdu.org/adaab-e-taleem-o-tarbiat/

سوال نمبر 3: اسلام مختلف معاشی نظاموں کے درمیان عادلانہ راستہ دکھاتا ہے وضاحت کریں؟

1۔ وہ تمام مسائل جن پر انسان کا معاشی انحصار ہے سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اس کی تخلیق ہیں۔

قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے :

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ.

’’جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اﷲ کے لئے ہے۔‘‘

البقرة، 2 : 284

2۔ خالق کائنات، رازقِ کائنات بھی وہی ہے جو تمام مخلوقات کو رزق دیتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے :

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلاَّ عَلَی اﷲِ رِزْقُهَا.

’’اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اﷲ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔‘‘

هود، 11 : 6

3۔ اسلام کا معاشی نظام انفرادی حق ملکیت تسلیم کرتا ہے۔ اس میں کچھ حدود و قیود لگائی گئی ہیں لیکن انسان کو اس کے حق سے محروم نہیں کیا گیا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَنفِقُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ.

’’اے ایمان والو! ان پاکیزہ کمائیوں میں سے اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے (اﷲ کی راہ میں) خرچ کیا کرو۔‘‘

البقرة، 2 : 267

4۔ اسلام حق معیشت میں مساوات کا قائل ہے۔ اسباب معیشت میں ہر انسان کو فائدہ اٹھانے کا مساوی حق فراہم کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلاً مَّا تَشْكُرُونَO

’’اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لئے اسبابِ معیشت پیدا کئے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوo‘‘

الاعراف، 7 : 10

5۔ جس طرح اسلام حقِ معیشت میں مساوات کا داعی ہے اور ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے فراہم کردہ اسبابِ معشیت سے فائدہ اٹھانے کا حق دیتا ہے۔ اسی طرح حالات کو سامنے رکھتے ہوئے درجاتِ معیشت میں تفاوت کی نشاندہی کرتا ہے۔ یعنی اسلام میں معاشی مساوات کا مفہوم یہ ہے کہ ہر ذی روح کو دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہو، محنت اور ترقی کے

راستے سب کے لئے ہوں اور وہ معیشت میں اپنا کردار ادا کر سکے۔ اس کا فیصلہ اس کی محنت، قابلیت اور کام کرنے کی صلاحیت پر رکھا گیا ہے جتنا وہ کام کرے گا۔ اسی حساب سے معیشت میں اس کا درجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الْرِّزْقِ.

’’اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق (کے درجات) میں فضیلت دی ہے (تاکہ وہ تمہیں حکمِ انفاق کے ذریعے آزمائے)۔‘‘

النحل، 16 : 71

اس کے پس منظر میں اس آیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہو گا۔ جہاں اﷲ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلاَّ مَا سَعٰیo

’’اور یہ کہ انسان کو (عدل میں) وہی کچھ ملے گا جس کی اُس نے کوشش کی ہو گی (رہا فضل اس پر کسی کا حق نہیں وہ محض اﷲ کی عطاء و رضا ہے جس پر جتنا چاہے کر دے)o‘‘

النجم، 53 : 39

مذکورہ بالا اساسی تصورات کے ساتھ اسلام نے معاشیات کے میدان میں اخلاقی اقدار کی بھی نشاندہی کی ہے جن میں تقویٰ، احسان، ایثار، عدل، اخوت، تعاون، توکل، قناعت اور مساوات اہم ہیں۔ ان کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

https://www.thefatwa.com/urdu/questionID/301/%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85-%DA%A9%DB%92-%D9%85%D8%B9%D8%A7%D8%B4%DB%8C-%D9%86%D8%B8%D8%A7%D9%85-%DA%A9%DB%8C-%DA%A9%DB%8C%D8%A7-%D8%AE%D8%B5%D9%88%D8%B5%DB%8C%D8%A7%D8%AA-%DB%81%DB%8C%DA%BA/

سوال نمبر 4: تدریس اسلامیات کے لیے جدید تدریسی طریقوں کی اہمیت و افادیت کا جازہ تحریر کریں؟

تخلیق انسانیت کے فورا بعد ہی اللہ جل وعلاہ نے انسانیت کی رہنمائی و رہبری کا انتظام کر دیا۔ چونکہ انسان کو دنیا میں اختیار دیا گیا کہ وہ خیر و شر میں سے جسے چاہے اپنی خوشی و رغبت سے اختیار کر لے۔ مگر انسان کی فطرت میں سہوو غلطی کھانے اور ظاہری رنگ رلیوں سے متاثر ہوجانے کا مادہ موجود تھا اور ہے اس کے سبب یقینی امر تھا کہ انسان برائی و بدی اور شر جو بظاہر فائدہ مند معلوم ہوتا ہے کی جانب متوجہ ہوکر اس کو اپنا لے۔ اسی امر کے پیش نظر اللہ رب العزت نے انسانو ں کی رہنمائی و رہبری کی خاطر انبیاء کرام کو اپنا پیغام دیکر کائنات میں بھیجا تاکہ وہ انسانوں کو صحیح و غلط میں موجود فرق کے بارے میں آگاہ کریں تاکہ حجت تام ہوجائے کہ اگر انسان برے راستے کو چاہتے ہوئے اختیار کرتاہے تو اس کے نتیجہ میں سزاکا مستحق قرار پائے اور اگر درست اور نیک کاموں پر عمل کرلے اور

خیر کے راستے پر چل پڑے تو اس کو انعام و اکرام کے ساتھ جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کااعزاز دیا جائے۔انبیاء کرام کی دعوت و رسالت کا لب لباب یہی ہی تھا کہ وہ لوگوں کو تذکیر و یاددہانی کرواتے تھے کہ عالم ارواح میں رب کے ساتھ کیا جانے والے عہد کسی صورت ٹوٹنے نہ پائے۔

انبیاء کی بعثت کا سلسلہ نبی مکرم ﷺ پر مکمل ہوا۔آپ کے بعد چونکہ کسی نبی نے نہیں آنا اس لئے آپ ﷺ پر اسلام کی دعوت کو ختم کردیا اب آپ ﷺ کے بعد آپ کی امت کے کندھوں پر یہ بشیر و نذیر کی ذمہ داری آن پڑی کہ وہ اس کو تاروز محشرانجام دیں۔بشیر و نذیر کے فریضہ و منصب کو نبھانے کے لئے ضروری و لازم تھا اور ہے کہ داعی کے پاس دین کا کافی و شافی ذخیرہ معلومات ہونا چاہیے ۔جس کے لئے لازمی ہے کہ ملت اسلامیہ کے داعی علم کی شمع سے قلوب و اذہان کو معطر کریں۔دین اسلام نے ابتداہی سے علم کی اہمیت و افادیت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کے ماخذ و مصادر اور اس کے دائرہ کار کا بھی پہلی وحی میں تعین کردیا گیا۔جس کا بامحاورہ ترجمہ و مفہوم کچھ یوں ہے”تو پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیداکیا،پیداکیا انسان کو لوتھڑے سے ،تو پڑھ عزت و کرم والے رب کے نام سے،وہ جس نے تعلیم دی قلم کے ذریعہ سے ،سکھایا انسان کو وہ علم جسے وہ پہلے نہیں جانتاتھا”سورہ علق کی یہ پہلی پانچ آیات ہی قرآن کا پہلا و اساسی پیغام و دعوت ہے۔مولانا ابولحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ ان آیات میں یہ واضح کردیا گیا کہ علم اور مسلمان کاچولی دامن کا ساتھ ہے کہ وہ اسکے بغیرسماج میں پنپ نہیں سکتا،علم سکھے بغیروہ ترقی وکامرانی کی منازل طے نہیں کرسکتا۔اور ساتھ ہی انسان کو اس کی حیثیت سے بھی مطلع کردیا گیا ہے کہ وہ جتنا بھی بڑا بن جائے اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی اصلیت و ابتدا ایک لوتھڑے سے ہی ہوئی ہے۔

دنیاوی مناصب و عہدوں کے آجانے کے بعد انسان اپنے سے کمزور و ناتوں لوگوں پر سرکشی کرتاہے اور مارے غرور کے ان پر اتراتے ہوئے انسانوں کی تحقیر کا عمل کرتاہے اس سے اجتناب کے لئے باور کرادیا گیاکہ اللہ کی ذات و الاصفات ہی سب سے زیادہ معززو مکرم ہے لہذا انسان کو مغرور و مقہور بننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ علم کے حصول کے مختلف ذرائع ہوسکتے ہیں انسانوں سے ملاقات و گفت و شنید کے نتیجہ میں بھی علم حاصل ہوتاہے ۔مگر یہاں پر قرآن نے واضح بیان کر دیا ہے کہ علم حقیقی وہی ہے جس کی تعلیم دی جا رہی ہے وہ بذریعہ قلم یعنی لکھی ہوئی صورت میں حاصل ہو۔بدقسمتی سے آج کا انسان دنیا میں سائنسی ترقی و عروج کی وجہ سے ناتواں لوگوں پر ظلم و جور کا بازارگرم کرتے ہیں کیوں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں جدید ٹیکنالوجی ،سائنس اور علوم کائنات کو مسخر کرچکے ہیں تو اس پر اظہار تفاخر کرنا ان کا حق ہے اسی لئے اللہ نے واضح کردیا کہ ان لوگوں کے پاس وہی علم ہے جو ہم نے سکھلایا اسے مگر وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ جانتا تھا۔

پہلی وحی کی روشنی میں یہ بات کھل کرسامنے آجاتی ہے کہ اسلام نے آغاز اور اپنے پہلے ہی روز سے علم کی دعوت دترغیب دی۔اس طرح قرآن حکیم کی بے شمار آیات اور احادیث کے ذخیرہ میں بھی علم کے حصول کے فرض و لازم ہونے اور اس کے حصول میں مشغول و مصروف لوگوں کی منقبت بیان ہوئی ہے ۔مثال کے طورپر فرمایا گیا حدیث میں کہ"علم حاصل کرو ماں کی گود سے قبر کی پاتال تک"اور "علم حاصل کرنا ہر مردوعورت پر لازم قرار دیا گیا" عالم کو عابد پر وہ فضیلت دی گئی جو نبی کو عام انسانوں کے مقابل میں حاصل ہے۔اس طرح کے متعدد اقوال و فرامین موجود ہیں جن سے علم کی اہمیت اور اس کی افادیت اور اسلام میں اس کے اہتمام کا پیغام ملتاہے۔صحابہ کرام کو نبی کریم کی اطاعت کرنا اور آپؐ کے ہرحکم پر جانثار کرنے کا پیغام دیا گیا ۔غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت کعب ابن مالکاور ان کے دوساتھیوں نے جمعہ کی نماز شہر میں اداکرنے کی نیت سے سفر جہاد میں نبی کریمؐ کی مشارکت نہیں کی تو اللہ نے مسلمانوں کوان سے مقاطعہ کرنے کا حکم نازل فرما دیا۔

اسی اہتمام کی وجہ سے صحابہ کرام باوجود تجارت و زراعت اور دنیاوی کاموں میں مشغول رہنے کے ایک لمحہ کے لئے دین کی تعلیم سے دور نہیں ہوئے جیساکہ حضرت انس بن مالک کی روایات سے معلوم ہوتاہے کہ صحابہ کرام تعلیم و تعلم کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔وہ فرماتے ہینکہ"کیا میں تمہیں تمہارے ان بھائیوں کے متعلق خبر نہ دوں جن کو ہم رسول اللہ کے زمانے میں "قرائ"کے نام سے پکارتے تھے ،وہ تعداد میں ستتر تھے ،رات کو مدینہ میں اپنے استاد کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھتے رہتے ،صبح کو ان میں سے جو طاقتور ہوتے وہ میٹھا پانی بھر کر لاتے اور مزدوری کرتے ،یا لکڑی کاٹ کر لاتے اور فروخت کرتے ،جن کو گنجائش ہوتی وہ جمع ہوکر بکری خرید لیتے،اس کو بنالیتے اور وہ رسول اللہؐ کے حجروں کے پاس لٹکی رہتی"۔اسی طرح کا واقعہ حضرت عمر اور ان کے پڑوسی کا بھی ہے کہ وہ ایک روز کام کرتے اور دوسرے روز حلقہ تعلیم میں شامل ہوجاتے،اور جو کچھ نبی کریمؐ کے اسنان مبارک سے سناہوتااپنے ساتھی کو بھی سکھا دیتے تھے۔

اسلامی تعلیم کی اہمیت و افادیت کو بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتاہے کہ ہم ملک پاکستان کے موجودہ تعلیمی نظام کامختصر اجائزہ لیں۔تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ملک پاکستان برصغیر کا وہ عظیم خطہ ارضی ہے جس کو انگریز کی غاصبیت اور ہندوئوں کے اثر و رسوخ سے نجات حاصل کرتے ہوئے آزادی حاصل کیاگیا۔ اس امر کے متحقق ہونے کے لئے یہ صدابلند کی گئی کہ ہم مسلمانوں کے لئے آزادخطہ چاہتے ہیں اور اس کا ماٹو و نعرہ یہی ہوگا کہ "پاکستان مطلب کیا لاالٰہ الااللہ"۔مگر باعث افسوس امر یہ ہے کہ ملک پاک میں ابتداہی سے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کو منظم و بہتر بنانے کے لئے کوئی عملی اقدام نہیں اٹھایاگیا بعض اوقات شعبہ تعلیم وتربیت میں ترمیم و بہتری کے فیصلے ہوئے مگر

عملا ان کا نفاذ نہ ہوسکا۔جس کا بدیہی نتجہ یہ ظاہر ہورہاہے کہ ملک پاکستان کا نوجوان اسلامی تعلیمات اور ارض مقدس کی محبت و مودت سے پہلوتہی کرچکا ہے۔جیساکہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری سیاسی و سماجی قیادت میں بہت سی ایسی شخصیات ہیں جن کو قرآن مجید کی مختصر سورت کی تلاوت نہیں آتی اور اس کے ساتھ ہی اسلامی تعلیمات کے مفاہیم سے کوسوں دور ہیں۔جس کے نتیجہ میں آئے روز اسلام کے ٹھوس و بین احکامات کو بدلنے اور اس میں ترمیم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہیں حدود آرڈیننس کے نام پر تو کہیں شعبہ مالیات کو بہتر بنانے کے لئے سودکی حلت یا اس مینمو جود سختی کو کم کرنے کا آوازہ لگایا جاتاہے اور پھر کہیں ناموس رسالت ایکٹ پر نظرثانی کا مطالبہ سامنے آتاہے۔اس طرح کے امور کا پیش آنا یہ ثابت کرتاہے کہ ہمارے سماجی و سیاسی ہستیوں کا اسلامی تعلیمات کو کسی انسانی و بشری صلاحیتوں اور کوششوں کا ثمر سمجھاجاتاہے اور اسے وحی ربانی اور نبی کریمﷺ کی تعلیمات کا صدق دل سے اعتراف و احترام نہیں سمجھتے۔جبھی تو اس میں تغیر و تبدل کانعرہ لگاتا ہے۔

اس طرح کے سوالات اور شکوک و شبہات ہمارے قائدین کے ذہنوں میں کیوں پیداہوتے ہیں ؟اس کا صاف و کھراجواب یہی ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت درست خطوط پر نہیں ہوئی جبھی تو وہ اس طرح کے جاہلانہ مطالبے کرتے نظر آتے ہیں۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سماج میں تعلیم ادارے تین حصوں میں منقسم ہیں اول:دینی تعلیمی ادارےثانی:سرکاری تعلیمی ادارے اور ثالث :پرائیویٹ و بیرونی تعلیمی ادارے۔اول درجہ میں دینی تعلیمی ادارے جن کی اہمیت و افادیت سے انکار ناممکن ہے بس المیہ کی بات یہ ہے کہ اسلام کے تصور تعلیم کو محدود مقید کردیاگیا ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیم اور اس کے مشتقات کو ہی صرف اختیار کیاگیا جبکہ مظاہر کائنات اور کائناتی علوم سے پہلوتہی کی گئی جس کا ثبوت کسی بھی اہل علم وصاحب ذی شعور اور اہل سلف کی حیات میں اس کی مثال نہیں ملتی۔البتہ جس امر پر اس تحریر کو مرتب کیا گیا وہ یہ ہے کہ سرکاری و پرائیویٹ تعلیمی ادارے جن کی خدمات کا اعتراف امر واجب ہے اور دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ سائنسی و کائناتی علوم کی حفاظت اور اس میں تجدید کا فریضہ مسلم علماء ہی نے بااعتراف یونانیوں و دیگرمتطور تہذیبونکے ساتھ کیا۔مگر بدقسمتی ہے کہ آج وہی مسلمان ایک طرف یاتو ان علوم سے غافل و دور ہے یا پھر انہی میں مشغول رہ کر اپنی زندگی بسر کردیتاہے اور اپنے مقصد تخلیق اور اس ابتکاری صلاحیت کے مصدر و ماخذ کو بھول بیٹھا ہے۔

پرائیویٹ وبیرونی تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی تدریس کا سر سے انتظام ہی نہیں۔سائنسی مضامین کے اساتذہ کا تقرر مکمل قابلیت اور معیار کو چک کیا جاتا ہے اور پھر ان کی خدمت معاوضہ کی صورت میں بھی بہتر طور پر کی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ اسلامیات کی تدریس اور اس کا امتحان متعدد تعلیمی اداروں میں شامل نصاب ہے ہی نہیں جیسے

کہ پنجاب ایجوکیشن فائونڈیشن کے منتظمین صرف سائنسی مضامین کا ہی امتحان لیتے ہیں جس کے سبب وہ سکول جو اس ادارے کے زیرانتظام ہیں وہ اپنی اسلامی و ایمانی اور قومی ذمہ داری کو نبھانے سے اجتناب کرتے ہیں ان کا مقصود صرف پیسہ ہوتاہے اور وہ سائنسی مضامین میں اعلیٰ درجہ حاصل کرنے والے طلبہ کو ہی اداکیا جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہینکہ ہمارے عصری تعلیمی اداروں کی ترجیحات میں نقص و خلل موجود ہے کہ وہ سائنسی و تجرباتی علوم کے میدان میں اپنی خدمات و کوششوں کو بہتر سے بہتر بناکر پیش کرنے کی جدودجہد کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کا ہتمام بھی کرتے ہیں کہ ان کے پاس اساتذہ ماہرعلم و فن ہونے چاہیں مگر غیر سائنسی علوم اور خصوصا اسلامیات ایک ایسا مضمون بن چکا ہے کہ جس کی تعلیم کے لئے کسی بھی طرح کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔اسلامیات کی تدریس کے لئے ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جاتاہے جو صرف زبانی یا بطور حفظ اس مضمون کو یادکرکے بچوں کے سامنے ریکارڈنگ و اپنی صوت وآوازکے ساتھ منتقل کردیں مگر خوداسے اس مضمون کی حقیقت و روح کو سمجھنا اور طلبہ کو تفہیم کراناضروری نہیں سمجھا جاتا۔

اسلامیات کے مضمون کی تدریس کے لئے ماہر اسلامیات یا اس شعبہ کے متخصص اساتذہ کا اہتما م اور تلاش کرنا ناپید عنقا ہے بلکہ دیگر مضامین کے اساتذہ حصول برکت یا وقت گذاری کے لئے اس کی تدریس کا فریضہ انجام دیتے ہیں ۔سرکاری و غیرسرکاری تعلیمی اداروں میں بچوں کو نصاب میں شامل کتاب ہی صرف یادکروائی جاتی ہے تاکہ وہ امتحان میں پاس ہوسکے مگر اس امرسے اعراض کیا جاتاہے کہ یہ ایک ایسامضمون ہے جس کا پڑھنا اور پڑھانادونوں عبادت ہے ۔مگر چونکہ مادیت اور تجارت کے عنصر نے ہمیں اندھاوبہرہ کردیا ہے کہ ہم اپنی عاقبت کی فکر سے غافل ہوگئے ۔اس کا نتیجہ یہ نکل رہاہے کہ یہی تعلیم یافتہ نوجوان جس کی اسلامی و اخلاقی تعلیم و تربیت میں تغافل سے کام لیا تھا جہاں پر وہ اسلام و دین کی تفہیم و تعلیم سے جاہل ہوتاہے وہیں پر وہ معاشرہ میں فتنہ و فساد کے فروغ دینے کا موجب بھی بنتاہے۔وہ نہ تو والدین کا ادب کرتاہے ،نہ ہی چھوٹوں پر شفقت،نہ ہی انسانیت کا درد ہوتاہے اس کے سینے میں ،اس کے ساتھ وہ ایک بے حس و بے حیا اور خود غرض انسان بن جاتاہے ۔جس کا ظاہری ثمرکرپشن ،چورپازاری اور لوٹ مار،رشوت کی صورت میں ملتا ہے۔

تعلیمی اداروں میں اسلامیات کو بنیادی و اساسی حق دیا ہی نہیں جاتااس کی تدریس کے لیے مفت خدمات پیش کرنے والے حضرات کی جستجو کی جاتی ہے جب ایسا ہوگا تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ استاذ اس سبق اور مادہ پر اس حیثیت سے محنت نہیں کرے گا کیوں کہ اس کو اپنی ذاتی زندگی کے گذربسر کے لیے جیب خرچ کی تو ضرورت ہوتی ہی ہے جو

اسے کسی دوسرے مقام پر کام کرکے حاصل کرنا پڑتی ہےیا پھر سکول و کالج میں موجود یگرمضامین کے اساتذۃ سے خدمات مسعار لی جاتی ہیں اور اس صورت میں بھی اساتذہ طلبہ کے مستقبل کے ساتھ کھلوار کررہے ہوتے ہیں۔یہ ہمارے معاشرے کی بدقسمتی ہے کہ سکول وکالج میں اساتذہ یا تدریس کے فرائض کماحقہ ادانہیں کرتے کہ ان کی حرس و ہوس ہوتی ہے کہ بچہ ان الگ فیس اداکرکے اکیڈمی میں ان سے استفادہ کرے ۔اسی طرح سکول وکالج کی انتظامیہ بھی طلبہ سے بھاری بھر فیسیں وصول کرلیتے ہیں مگر ان کی تعلیم و تدریس اور خصوصاً اسلامیات ،اردو،مطالعہ پاکستان جیسے مضامین کی معیاری تدریس کا انتظام نہیں کرتے اگر میں یوں کہوں کہ وہ ادارے طلبہ کے مستقبل کو تاریک بنانے میں اہم کردار اداکررہے ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی تعلیمی اداروں کی تعریف کرتے ہوئے کہاہے کہ "عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے اتفاق کیا ہے کہ"تعلیم کوئی ایسا تجارتی سامان نہیں ہے جو درآمد یا برآمد کیا جاسکے ،مثلاًمصنوعات ،کچامال یا وہ ایجادات و ضروریات جو کسی ملک اور علاقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ،وہ ایسالباس ہے جو ان اقوام کے قدوقامت و جسامت کی ٹھیک ناپ کے مطابق تراشااور سیاجاتاہے اور پسندیدہ و محبوب علم و فن اور ان مقاصد کو سامنے رکھ کرتیارکیا جاتاہے جن کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہیں،تعلیم صرف اس عقیدہ کو مضبوط کرنے کا ایک مہذب و شائستہ طریقہ ہے جس کا حامل یہ ملک یا قوم ہے ،اس کا مقصد فکری طورپر اس کو غذا دینا،اس پر اعتماد کرنا اور اگر ضرورت ہو تو علمی دلائل سے اس کو مسلح کرنا ہے،وہ اس عقیدہ کے دوام و بقاکا وسیلہ اور بے کم وکاست آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہیت،نظام تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ والدین اور مربیوں اور نگرانوں کی اس سعی پیہم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے دین و ملسک پر قائم رکھنے کے لئے کرتے رہتے ہیں ۔اور ان بچوں کی اسطرح تربیت کرنا کہ وہ ان کے ورثہ کے جسے انہوننے اپنے اباو اجدادسے حاصل کیا تھا کے صالح و اہل وارث و امین ثابت ہوں،اور ان کے اندر اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو۔

برطانیہ کے ماہرین تعلیم کی ایک رپورٹ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیاہے کہ"ریاست کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دیکھے کہ اسکولوں کے ذریعہ قومی زندگی کے کامل اجزاء نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہیں ،اس کا کام ہے کہ یہ دیکھے کہ طلبہ قومی مفاد کے مقررہ معیار کی کارکردگی کو قائم رکھتے ہیں اور اسے ترقی دیتے ہیں ،ریاست کی ظاہری تعلیمی سرگرمی کے پس پشت غیرمرتب لیکن معاشرہ کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ بچے قومی اور اباکی خصوصیات کے جانشین بنتے ہیں۔

اسی پس منظر میں علامہ اقبال ،علامہ اسد اور مولانا ابولحسن علی ندویو دیگر علماء جنہوں نے مغرب اور مغربی تعلیمی اداروں کو بہت قریب سے دیکھا اور اس کا جائزہ لیا وہ اس امر پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو مغربی نظام و نصاب تعلیم سے وہ کچھ حاصل کرنا چاہیے جس کی حاجت و ضرورت عصر حاضر میں لازم و مستلزم ہو ہاں اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ مغرب کی تہذیب و ثقافت کو اختیار جکرنے سے اجتناب کیا جائے کیوں کہ وہ مادیت و نفسانیت کا درس دیتی ہے اور رب کریم کی رضاو منشاء سے دورکردیتی ہے۔اس کے ساتھ ہی ان حضرات نے پاکستان و مسلم ممالک کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ اپنے نظام و نصاب کا ازسرنو جائزہ لیں کہ جہاں پر اصلاح و تجدید کی حاجت ہو اس کو مکمل کریں اور یہ پیغام دینی و عصری تمام تعلیمی اداروں کو دیاگیا ہے۔کہ دینی ادارے عصری ضرورتوں کا احساس رکھتے ہوئے اپنے نصاب میں ترمیم کریں کہ مسلم عالم صرف مسجد و مدرسہ میں ہی اپنے فرائض انجام نہ دے بلکہ سماجی زندگی میں مشغول و مصروف انسانوں کی رہبری کی سیاسی و سماجی ،معاشی و معاشرتی قیادت کی باگ دور سنبھالنے کے ساتھ ان کو دعوت فکر و اصلاح بھی دے سکے ۔اسی طرح عصری اداروں پر بھی لازمی ہے کہ وہ سائنسی وتجرباتی علوم کے ساتھ ساتھ اسلامی و نظریاتی علوم کا بھی اہتمام کریں کہ جس کے نتیجہ میں سعاد ت دنیوی کے ساتھ سعادت آخرت بھی متحقق ہوجائے اور سماج و معاشرہ سے بیماریوں اور فساد و انتشار کا خاتمہ ہوسکے۔

مندرجہ بالاتحریرمیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے تعلیمی اداروں میں اسلامیات کی تدریس و تعلیم پر بات کی ہے ۔جس سے واضح ہوجاتاہے کہ ادارے اسلامیات کے مضمون کی یا تو تدریس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے یا پھر وہ رعایتی و جزوقتی اساتذہ سے کام چلاکر طلبہ کے مستقبل کو برباد کرتے ہیں۔ظاہر سی بات ہے کہ جب ایساہوگا ہماریسماج و معاشرہ میں تو انسانیت و اخلاقیت کا جنازہ نکل جاناباعث افسوس و ندامت نہیں ہونا چاہیے۔اگر نوجوان بچہ کسی بھی طرح کی دہشت گردی و انتہاپسندی میں شامل ہوجاتاہے تو ہمیں متحیر ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ہم نے خود اس کی تعلیم و تربیت کی فکر نہیں کی تھی۔ایک طرف اسلامیات و اخلاقیات اور انسانیت کی تعلیم و ترغیب نہیں اور دوسری طرف وہ نوجوان جو ان صفات سے متصف ہیں ان کو سماج میں باعزت روزگار فراہم نہیں کیا جاتاقریب ہے کہ جس کا نتیجہ کسی بڑے خطرہ کا پیش خیمہ ثابت ہوجائے ۔لہذا حکومت وقت اور تعلیمی اداروں کے سربراہان اور معاشرہ پر لازم و ضروری ہے کہ وہ اپنے معاشرہ میں اسلامیات کی تدریس کا اہتمام کرائیں اور جو تعلیم یافتہ نوجوان ہیں ان کو باعزت روزگار دلوانے میں اپنا کردار اداکریں ورنہ یہ ہو کہیں دیر ہوجائے خبر لینے میں-------! اگرچہ یہ موضوع مزید گفتگوو تحقیق کا طالب ہے مگر وقت کی قلت کے باعث میں علامہ اقبال کے ان اشعار پر خاتمہ کرتاہوں کہ:

ہند میں حکمت دیں کوئی کہاں سے سیکھے نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق

حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں ہائے محکومی و تقلید و زوال تحقیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

سوال نمبر 5: مندرجہ زیل میں سے کسی تین پر نوٹ لکھیں؟

اسلامیات کے نصاب کی اصلاح کے پانچ نکات

مشقی طریقہ کار کی خامیاں

اسلامیات میں التواى و استخراجو طریقے

نصاب اسلامیات کے اہم اصول

اسلامیات کے نصاب کی اصلاح کے پانچ نکات

۔ دینی مدارس کا اپنی تعلیم کو بنیادی مذہبی علوم تک محدود رکھنا اس وقت کے مخصوص حالات اور مجبوری کی١ وجہ سے تھا کیونکہ یہ مدارس استعماری حکومت کے لیے رجال کا رتیار اور مہیا کرنا نہیں چاہتے تھےاور حکومت اور اوقاف کے خاتمے کے بعد اور عوام کی گرگوں مالی حالت کے پیش نظر ان کے پاس مادی اور مالی وسائل کی شدید کمی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد حالات میں بنیادی تبدیلی آئی اوراب اُس پالیسی کو، جو وقتی طور پر بنائی گئی تھی، جاری رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا اور اب نئے تقاضوں کے مطابق نظام ونصاب کا بدلنا ضروری تھا اور ہے۔

(Mainstreaming) ۔ نئے تقاضوں ، اصلاح، وحدت تعلیم کے تصور اور مدارس کو قومی تعلیمی دھارے٢

میں لانے کا مطلب یہ نہیں کہ مدارس کی دینی تعلیم کے متخصص ادارے ہونے کی حیثیت ختم کردی جائے بلکہ یہ ہے کہ دینی تعلیم جدید تقاضوں کے مطابق دی جائے۔ یعنی دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء جدید علوم ومعارف کا تفہیمی اور ناقدانہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ وہ بدلے ہوئے حالات میں مسلم عوام کی موثر دینی رہنمائی کرسکیں۔(٣

۔ اس وقت دینی مدارس کا درس نظامی کے نام سے ایک ہی نصاب ہے۔ ڈاکٹر غازی مرحوم کی رائے یہ تھی کہ اس نصاب کے تین گروپ ہونے چاہئیں۔ ایک مساجد کے امام اور خطیب تیار کرنے کے لیے۔ اس کے لیے میٹرک کے بعد تین چار سال کا نصاب کافی ہے جس میں حفظ وتجوید، تفسیر، حدیث اور فقہ میں اردو کی ایک دو بنیادی کتب۔ حسب ضرورت عربی زبان، اور جدید معاشیات وسیاسیات پر ایک آدھ کتاب شامل ہو۔ دوسرا گروپ سکولوں کالجوں میں تدریس اسلامیات کے اساتذہ تیار کرنے کے لیے ہو۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کے بعد مزید تین سال کا ایک نصاب ہونا چاہیے جس میں عربی ادب کی چند کتابیں ، سیرت، تاریخ اسلام ، اسلامی معاشیات، فقہ وعقائد کے ساتھ تفسیر وحدیث بقدر ضرورت اور تاریخ پاکستان اور جدید دنیائے اسلام سے واقفیت پر مبنی مطالعاتی مواد شامل ہونا چاہیے۔ تیسرا گروپ وہ ہو جس میں دینی مدارس کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق وتدریس کے لیے درکار مفسرین، محدثین،

فقہاء اور مفتی تیار کیے جائیں۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کی دینی تعلیم کے بعد چار پانچ سال کی مزید تخصصی تعلیم ہونی چاہیے

سطور بالا میں ہم ڈاکٹر غازی مرحوم نے درس نظامی کے ایک نصاب کی بجائے جن تین گروپوں اور ان کے الگ الگ نصابات کا ذکر کیا ہے،ہم آگے بڑھنے سے پہلے اس پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ ڈاکٹرصاحب نے اپنی بعض تقاریر میں اس موضوع پر ایک عمومی گفتگو کی ہے لیکن نصاب سازی کے حوالے سے یہ ایک اہم موضوع ہے اور اس پر ذرا باریک بینی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔حسن اتفاق سے یہ ہماری دلچسپی اور تخصص کا دائرہ ہے، :اس لیے ہم اس حوالے سے ٹھوس اور تفصیلی تجاویز پیش کرنا چاہیں گے

۱

۔ سکول کی بارہ سال تعلیم میں اتنی دینی معلومات دینا اور ان پر عمل کروانا لازمی ہونا چاہیے جن کی ہر مسلمان کو :ضرورت ہوتی ہے (اور جسے علماءکرام ’الدین بالضرورۃ ‘ کہتے ہیں)اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں

پری سکول میں تدریس قرآن کے ضمن میں عربی پڑھنا سیکھنے کے دوران تصحیح مخارج کا اہتمام ۔اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھانے والا قاری مجود یعنی ماہر تجوید ہو۔ اس کے لیے آڈیو ویڈیو کا استعمال بھی ضروری ہے۔

پرائمری میں ناظرہ قرآن ختم کرنا ، مڈل ومیٹرک میں سارے قرآن حکیم کا ترجمہ اور اعلیٰ ثانوی میں مضامین واحکام قرآن اور تفاسیر کا تعارف شامل ہو۔ مطالعۂ نصو ص کے حوالے سے کچھ احادیث بھی مطالعۂ قرآن کا لازمی جزو ہونی چاہئیں۔

تیسری جماعت سے دسویں تک عربی ہلکے پھلکے انداز میں اور جدید طریق تدریس سے لازمی ہو تاکہ ہر مسلمان کے لیے قرآن فہمی کی پختہ بنیاد مہیا ہو جائے۔

علوم اسلامیہ (جسے دینیات یا اسلامیات بھی کہتے ہیں) کا نصاب سکول سطح پر وسیع تر ہو۔ عقائد میں اللہ کے ساتھ بندے کے تعلق (توحید) اور آخرت کے تصور پر ترکیز ضروری ہے تاکہ اللہ سے محبت اور اس کی خشیت اور فکر آخرت بچے کی ذہن سازی کا لازمی حصہ بن جائے۔ نیز دینی احکام پر عمل کی مشق کرائی جائے، مطلب یہ کہ طلبہ کو نماز رٹا دینااور وضو کا طریقہ بتا دیناکافی نہیں بلکہ اسلامیات کا استاد اپنی نگرانی میں بچوں سے وضو کروائے، انہیں نماز پڑھوائے اور انہیں نماز کا عادی بنائے۔ جو نماز سکول میںآتی ہے، ساری جماعت بلکہ سارا سکول وہ نمازجماعت کے ساتھ ادا کرے۔

۲

۔ سکول سطح پر تخصص اس وقت بھی موجود ہے جیسے میٹرک میں آرٹس اور سائنس گروپ اور اعلیٰ ثانوی میں سائنس میں پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ اور عمرانی علوم کے بے شمار گروپ بشمول درس نظامی گروپ۔ جب ہم نے مڈل کیا تھا (یعنی ۱۹۶۱ء میں) تو اس وقت ایک چھوٹے قصبے کے گورنمنٹ سکول میں بھی تخصص موجود تھا۔ یعنی چھٹی سے انگریزی لازمی تھی اور عربی وفارسی میں سے ایک اختیاری مضمون لینا ہوتا تھا (چنانچہ اس وقت راقم نے فارسی پڑھی تھی[کہ عربی ٹیچر موجود ہی نہ تھا] جس کے اچھے اثرات آج بھی اس پر موجود ہیں)۔

لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ اسلامیات کے ایک عمومی لازمی نصاب کے ساتھ ساتھ چھٹی سے اسلامیات کے الگ تخصص کی بنیاد رکھ دی جائے جس میں عربی اور اسلامیات کے ایڈوانس (یا اختیاری) کورس الگ سے شامل نصاب ہوں۔ حفظِ قرآن بھی شامل ہو اور یہ سلسلۂ تخصص مڈل ، میٹرک اور ایف اے تک چلے۔

سکول سطح پر ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ انگریزی سب کے لیے اختیاری مضمون ہوتاہم ہماری رائے یہ ہے کہ انگریزی زبان اسلامیات گروپ کے طلبہ کے لیے لازمی ہونی چاہیے تاکہ علماء کرام مستقبل میں مغربی فکروتہذیب کو اس کے نگریزی مآخذ سے براہ راست پڑھ کر سمجھ سکیں اور علمی سطح پر اس کا ردّ کرسکیں۔

۳

۔ دینی مدارس کو سکول سطح کی تعلیم دینے کی اجازت ہو خصوصاً اسلامیات کے تخصص کے ساتھ یاد رہے کہ دینی مدارس اس وقت بھی ثانویہ عامہ اورخاصہ کرواتے ہیں لیکن حکومت انہیں میٹرک وایف اے کے برابر تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ان میں صرف مذہبی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق اگر مدارس ثانویہ عامہ وخاصہ کرائیں گے تو حکومت ان کی ڈگریوں کو تسلیم کرلے گی اور دینی مدارس کے بچے ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے اہل ہوں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ سکول سطح پر اسلامیات کے تخصص کے مضامین کی نصاب سازی کے وقت علماء کرام کو بھی شامل مشورہ رکھے اور ان کی تجاویز کو اہمیت دے ۔ اور بالفرض اگر علماء کرام ناگزیر سمجھیں اور حکومت ان کی نصابی تجاویز نہ مانے تو وہ اپنی طرف سے کچھ اضافی دینی مضامین اپنے طلبا کو پڑھا سکتے ہیں اور ان کا خود امتحان لے سکتے ہیں۔

BS ۔ ایف اے کے بعد چار سالہ بی ایس (آنرز)[آرٹس کے مضامین کو بھی۴

کہنا سمجھ سے بالاتر ہے]۔ آرٹس میں گریجوایشن کرنے والوں کو بی اے (آنرز) اور اسلامیات گروپ کو بی اے آئی (آنرز) (یعنی بی اے اسلامیات) کہنے میں آخر کیا حرج ہے؟]اس وقت بھی اسلامیات میں میجر کے ساتھ ہورہا ہے۔

دینی مدارس کو چاہیے کہ وہ یہ چار سالہ بی ایس اسلامیات کروائیں اور طلبہ کو حکومت کی منظور شدہ ڈگری دیں۔ اس کے نصاب کے لیے وہ حکومت سے ٹھوس مذاکرات کریں اور بالفرض اگر حکومت ان کی مرضی کا نصاب نہ بنائے تو وہ حکومتی نصامب کے ساتھ اپنے مضامین کا اضافہ کرسکتے ہیں ۔ ہمارے علم میں ہے کہ لاہور کے بعض مدارس میں یہ تجربہ ہوا ہے اور کامیاب رہا ہے۔ طلبہ کو حکومتی سند بھی مل جاتی ہے اور طلبہ چونکہ مدرسہ میں مقیم ہوتے ہیں لہٰذا انہیں اضافی مضامین کی تدریس بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتی۔

BS ۔ دینی مدارس کو چاہیے کہ وہ علوم اسلامیہ کےعلاوہ طلبہ کو دیگر عمرانی علوم میں بھی چار سالہ۵

یا ایم فل) کروائیں۔ وہ طلبہ کو یہ مضامین اسلامی تناظر میں پڑھائیں اور ضرورت) MS اور اس کے بعد ۲ سالہ سمجھیں تو انہیں اضافی اسلامی مواد بھی پڑھائیں تاکہ انہیں متعلقہ عمرانی مضمون کے ساتھ علوم اسلامیہ میں بھی درک حاصل ہو جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے فارغ التحصیل طلبہ ، علماء زندگی کے سارے میدانوں میں کام کرسکیں گے اور ملازمت حاصل کرسکیں گے ۔ اس طرح دینی مدارس کے تیار کردہ علماء اور سکالرز معاشرے اور ریاست میں پہنچ کر مفید اخلاقی اور دینی اثرات پیدا کرسکیں گے اور یہ دعوت وتبلیغ کا بھی ایک منفردانداز ہوگا۔

۶

۔ اگر ہماری مجوزہ بالا اسکیم کو سامنے رکھا جائے تو مساجد کے علماء وخطباء کی تیاری کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہائر سیکنڈری یعنی ثانویہ خاصہ پاس طلبہ کو بی ایس، بی اے آنرز میں داخلہ دیا جائے اور دوسالہ بی اے کے بعد انہیں فارغ کردیا جائے۔ اس دوسال کے دوران دینی مدارس اپنے مقیم طلبہ کو دو چار اضافی مضامین پڑھا کر (جیسے تقریر کی مشق اور نماز روزے کے روز مرہ فقہی مسائل وغیرہ) امام وخطیب کورس کی ڈگری دے سکتے ہیں اور یہ طلبہ ، ،بی اے آرنرز پاس کرکے اعلیٰ تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ چار سالہ بی ایس ، بی BS علماء ملازمت ملنے کے بعد اپنا اے (آنرز) (جو ایک لحاظ سے دوسالہ عالیہ اور دوسالہ عالمیہ کا مجموعہ ہے) کے بعد شہروں کے بڑے دینی مدارس ، HEC جن کے پاس وسائل موجود ہیں، وہ دوسالہ ماجستیر (ایم فل) علوم اسلامیہ کروائیں۔ اس مرحلے پر تعلیمی ادارے کے مجوزہ نصابی خطوط کو سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافے کرسکتے ہیں (اور ہمارے علم میں ہے کہ معترض نہیں ہوتا) لہٰذا دینی مدارس اپنے مقیم طلبہ کو اضافی درسی مواد HEC کئی یونیورسٹیاں ایسا کرتی ہیں جس پر دے کر ان میں رسوخ فی العلم پیداکر سکتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا دینی مدارس اس سطح پر بھی علوم اسلامیہ کے ساتھ عمرانی علوم میں ڈگری آفر کرسکتے ہیں اور یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی کہ وہ معاشرے اور ریاست کو ایسے علماء وسکالر ز مہیا کریں جو زندگی کے سارے شعبوں میں کام کرسکیں۔

بی ایس ، بی اے (آنرز) پاس طلبہ گورنمنٹ اور پرائیویٹ سیکٹر کے سکولوں اور میٹرک، ایف اے (تخصص علوم اسلامیہ) کرانے والے دینی مدارس میں پڑھاسکتے ہیں۔ جب کہ ماجستیر (ایم فل علوم اسلامیہ) پاس طلبہ کالجوں میں اسلامی علوم ، عمرانی علوم پڑھا سکتے ہیں۔

۷

۔ بڑے شہروں کے باوسائل دینی مدارس (جامعات) کو مزید تخصص یعنی علوم اسلامیہ میں چار سالہ پی ایچ ڈی بھی آفر کرنی چاہیے تاکہ دینی علوم میں رسوخ رکھنے والے محقق ، مفسر، محدث اور فقیہ پیدا ہوسکیں جو یونیورسٹیوں، تحقیقی اداروں اور پی ایچ ڈی کا تخصص آفر کرنے والے دینی مدارس میں پڑھا سکیں گے اور اگر دینی مدارس، ہماری تجویز کے مطابق، اس کادائرہ عمرانی علوم تک وسیع کرسکیں (جو انہیں ضرور کرنا چاہیے جیسا کہ مولانا حسین احمد مدنینے ۱۹۳۳ء میں تجویز کیا تھا [ملاحظہ ہو مولانا مرحوم کا مدونہ نصاب مع تشریحات از مدیر البرہان ،مطبوعہ مکتبہ البرہان ، لاہور] تو وہ وقت جلد آسکتا ہے جب یونیورسٹیوں میں اور سی ایس ایس کرکے بیوروکریسی میں جانے والوں کی اکثریت دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ پر مشتمل ہوگی۔ اور یہ دینی مدارس کی ایسی خدمت دین ہوگی جسے تاریخ صدیوں یاد رکھے گی۔ اس لیے کہ یہ لوگ معاشرے اور ریاست کو اسلام کے مطابق ڈھالنے میں اہم کردار ادا کریں گے اور غلبہ دین اور نفاذ شریعت کی منزل اس سے بہت آسان ہوجائے گی اور مغربی فکروتہذیب کی جگہ اسلام معاشرے پر غالب آجائے گا ۔ ان شاء اللہ

۸

۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ہماری یہ نصابی اسکیم ہمارے تعلیمی ثنویت کے الجھے ہوئے مسئلے کا حل بھی ہے۔ یہ اسکیم مسلک پرستی اور فرقہ واریت کا توڑ بھی کرے گی۔ اس سے دینی مدارس کو مرکزی تعلیمی دھارے میں لانے اور جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ دینی مدارس کے طلبہ کی ملازمت کا مسئلہ بھی اس سے حل ہو جائے گا اور معاشرے کو ایسے علماء کرام ملنا شروع ہوجائیں گے جو جدید مسائل میں عوام وخواص کی رہنمائی کرسکیں گے۔ معاشرے میں ہم آہنگی اور یکجہتی کو فروغ ملے گا۔ حکمران طبقوں اور علماء میں ذہنی فاصلے کم ہوں گے اور سیکولرز م کی موجودہ فضا کا سحر ٹوٹ جائے گا۔ ان شاء اللہ

۔ کلامی یا فقہی مکاتب فکر سے وابستگی قابل مذمت نہیں لیکن حق کو اپنے مسلک یا مشرب تک محدود سمجھنا اور(۴) اختلاف کرنے والوں کی تغلیط وابطال کرنا اور درس وتدریس اور تحریر وتقریر میں اسی پر ترکیز کرنا اور اسی اساس پر مساجد ومدارس چلانابالآخر عدم رواداری، فرقہ واریت اور تعصب کو جنم دیتاہے جس کے نقصانات واضح ہیں۔

۔ مدارس کی دینی تعلیم کا موجودہ نظام سیکولرزم کو فروغ دے رہا ہے کیونکہ جب دینی مدارس ایسے کارکن تیار(۵) نہیں کرتے جو ریاست کا نظام چلاسکیں اور جدید تعلیم کاڈھانچہ معاشرے اور ریاست کے لیے کارکن تیار کررہا ہو اور یہ جدید تعلیم مغرب زدہ اور اسلامی لحاظ سے غیر موثر ہو تو اس کے نتیجے میں فرد، معاشرے اور ریاست پر مغربی اصول واقدار خصوصاً سیکولرزم اور لبرلزم کا غالب آجانا ایک منطقی امر ہے۔

لہٰذا دینی مدارس چلانے والے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اپنے نظام کی خامیوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ مسلم فرد کی تعمیر نو اسلامی تقاضوں کے مطابق ہوسکے اور معاشرہ وریاست بھی اسلامی تعلیمات واحکام کے مطابق کام کریں اور (رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَۃً وَّفِي الْاٰخِرَۃِ حَسَـنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) کا منظر مجسم ہوکر ہمارے سامنے آسکے

مشقی طریقہ کار کی خامیاں

1۔لیکچر اسٹائل

اس سٹائل میں استاد ہی تدریس کا محور ہوتا ہے اور کثرت سے لیکچریایکطرفہ پریزنٹیشن کا طریقہ استعمال کرتا ہے۔ طلبہ سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ نوٹس لیں گے یاا‌ز خود معلومات جذب کریں گے۔

خوبیاں:یہ انداز اعلیٰ تعلیمکی کلاسز اور طلباء کے بڑے گروپوں کے ساتھ مثلاً آڈیٹوریم میں تدریس کے لئے موزوں ہے۔ لیکچرکا طریقہ تاریخ جیسے مضامین کے لئے مناسب ہے جس میں اہم حقائق ، تاریخوں ، ناموں ، وغیرہ کو یاد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

خامیاں:اس سٹائل پر بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں اساتذہ اور طلباء کے مابین دو طرفہ ابلاغ نہیں ہوتا۔ نیزبعض بچے لیکچر کے دوران میں پوری طرح توجہ مبذول نہیں رکھ پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طریقہ بڑے طلباء کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

2۔مظاہراتی اسٹائل

اس طریقے میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ طلباء کو معلومات سے متعلقہ چیزیں دکھا کر دراصل لیکچر کا انداز ہی اپنایا جاتا ہے۔ یہاں لیکچر کے ساتھ ساتھ اسباق میں ملٹی میڈیا پریزنٹیشنز ، سرگرمیاں اور کچھ چیزوں کا مظاہرہبھی شامل ہوتا ہے۔ریاضی اور سائنس وغیرہ میں اس طریقے سے پڑھایا جا سکتا ہے۔

خوبیاں:اس اسٹائل میں اساتذہ کو تدریس میں کچھ نئی چیزیں شامل کرنے کا موقع ملتا ہے، مثلاًملٹی میڈیا پریزنٹیشنزیا کچھ اشیاء کا مظاہرہ ۔

خامیاں:اگرچہ یہ اسٹائل ریاضی ، موسیقی ، جسمانی تعلیم ، یا آرٹس اور دستکاری کی تعلیم کے لئے مناسب ہے ، لیکن اس طریقے میں بڑے کلاس رومز میں طلباء کی انفرادی ضروریات کو پورا کرنا مشکل ہے۔

3۔سہولت کار کا اسٹائل

سہولت کارطلباء میں خود سیکھنےکی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، وہ طالب علمونمیں تنقیدی سوچکی مہارت کو فروغ دیتے ہیں اور اس طرح معلومات مہیا کرتے ہیں جس سے طلباء کو خود شناسی کی منزلیں طے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

خوبیاں:اس انداز سے طلبا ءکو سوال پوچھنے کی تربیت ملتی ہے اورتحقیق کے ذریعہ جوابات اور حل تلاش کرنے کی مہارت پیداہوتی ہے۔ یہ طریقہ سائنس جیسے مضامین کی تدریس کے لئے بہت موزوں ہے۔

خامیاں:اس انداز میں ضروری ہے کہ اساتذہ طلباء سے بات چیت کریں اورمحض رٹے کے ذریعہ حقائق بیان کرنے اور علم کی جانچ کی بجائے ان کو خود دریافتکرنے کی ترغیب دیں۔ لہٰذاطلباء کی کارکردگی کی ٹھوس انداز میں پیمائش قدرے مشکل ہے۔

4۔تفویض کرنے کا اسٹائل

تفویض کرنے کا اسٹائل اس مواد کے لیے موزوں ہے جس میں لیبارٹری کی سرگرمیوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً حیاتیات یا کیمسٹری۔یہ اندازایسے مضامینکی تدریس میں بھی مددگار ہوتا ہے جس میں ساتھیوں کو ایک دوسرے کی رائے، بحث و تمحیص اور تخلیقی تحریرکی ضرورت پیش آتی ہے۔

خوبیاں:استاد کی رہنمائی میں دریافتکے عمل اورتحقیق کے ذریعے سیکھنے میں استاد کو ایک مبصر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو طلباءمیں مشترکہ مقاصد کی طرف متحد ہو کر کام کرنے کا شوق پیدا کرتی ہے۔

خامیاں:اسے تعلیم کا ایک جدید انداز سمجھا جاتا ہے۔بعض اوقات اس اسٹائل پر تنقید کی جاتی ہے کہ اس میں اساتذہ کا اختیاربہت محدود ہو جاتا ہے۔ ایک تفویض کنندہ کی حیثیت سے ، استاد روایتی با اختیار شخصیت کی بجائے زیادہ تر مشیر کی حیثیت کام کرتا ہے۔

5۔ملا جلا (ہائبرڈ) اسٹائل

اس انداز میں پڑھانے کے لئے اساتذہ ایک مربوط طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے اپنی شخصیت، طلبہ کی ضروریات اور نصاب سےہم آہنگ مناسب طریقونکی مدد سے سبق میں طلباء کی دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔

خوبیاں:اس انداز میں پڑھانے سے تقریباً تمام ہی طلباء سبق میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اساتذہ کو طلباء کی ضروریات اورمضمون کی مناسبت سے اپنیتدریسی حکمت عملی طے کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

خامیاں:ہائبرڈ اسٹائل میں استاد کو تمام طلبہ کے لیے بہت ساری چیزینکرنے کی کوشش کرنا ہوتی ہے۔ اساتذہ کو ہر طالب علم تک پہنچنے کے لیے بہت باریک بینی سے کام لینا ہوتا ہے، جس کے لیے بہت مہارت کی ضرورت ہے۔

آپ کے لیے کون سا تدریسی اسٹائل موزوں ہے؟

چاہے آپ ابتدائی جماعتوں کے اساتذہ ہیں جو دوران تربیت سیکھی ہوئی تمام تدریسی تکنیکوں کا کلاس روم میں اطلاق کرنا چاہتے ہیں ، یاایک تجربہ کار استاد ہیں جومختلف حکمت عملیوں اور سیکھنے کےنئے طریقوں کو آزمانا چاہتے ہیں ، حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایک اسٹائل سب طلباء کے لیے یکساں طور پر موزوں نہیں ہوتا۔ اگرچہ تدریس کے اسٹائلز

کو پانچ گروپوں میں رکھا گیا ہے ، لیکنموجودہ تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ہائبرڈ اسٹائل ایک ایسا انداز ہے جو اساتذہ کے ساتھ ساتھ طلباء کی ضروریات کو بھی بڑی حد تک پورا کرتا ہے، اور اس میں اساتذہ کو حسب ضرورت بہت سے طریقے اور سرگرمیاں اختیار کرنے کا موقع ملتا ہے۔

نصاب اسلامیات کے اہم اصول

تعلیمی عمل چار بنیادي عنا صر کا مجموعہ ہے۔یعنی مقاصدےتعلیم، نصاب، طریقہ ہائے تدریس اور جائزہ لینے کے طریقے۔ ''مقاصدتعلیم''کو اہم ترین عنصرکا اعزاز حاصل ہے۔ اس کو اگر تعلیم کے عمل کا دِل کہاجائے تو بے جانہ ہوگا۔ مقصد تعلیم حقیقت میں اس آلے کي مانند ہے جس کے تحت تعلیمی ادارے اپنےفرائض سر انجام دیتے ہیں اور قومي مقاصدتعلیم حاصل کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مقاصد تعلیم کواگر نشانِ منزل سمجھا جائے تو نصاب اور طریقہ تدریس اس منزل تک پہنچنے کارستہ ہے اور جائزے کا عمل اس کی کامیابی جانچنے کا طریقہ ۔

دین اسلام میں تعلیم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔کیوں کہ اسلام سراپا علم و عرفان کے حصول کا درس دیتا ہے۔

حضورنبي کریمؐ پر جو پہلي وحي نازل ہوئي اس میں بھی علم اور ذرائع علم کي اہمیت کے بارے میں واضح فرامین موجود ہیں۔ سورۃالعلق کی روشنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کا پہلا اور سب سے اہم مقصد خدا کی معرفت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بغیر علم اپنے حقیقی جوہر سے خالی ہے۔ علم اگر جوہر سے خالی ہو تو وہ اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسےانسان کا بنیادي جوہرانسانیت ہے اور اگر انسان میں انسانیت نہ ہو تو وہ حیوان کہلائے گا۔اسی طرح سورج میں تپش ،حدت اور روشنی باقي نہ رہے تو اپنے جوہرِ اصلي سے محروم ہو جائے گااور اسے کوئي بھی سورج ماننے پر تیار نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر جنگلي جانوروں کے اندر سے حیوانیت نکال دي جائے تو وہ حیوان کہلانے کے حق دار نہیں رہیں گے۔شیر ایک خونخوار درندہ ہے لیکن اگر اس کو پنجوں اور دانتوں سے محروم کر دیا جائے تو اسدیت اس کے ہاں سے رخصت ہو جائے گي اور وہ ان تمام خصوصیات سے محروم ہو جائے گا جو اسے شیر بنانے کا سبب تھیں اگرچہ اس کی شکل و شباہت اور ہیئت و جسامت شیر جیسي ہي ہو گي۔اطباء حضرات جڑي بوٹیوں سے عرق نکال لیتے ہیں ،اس عمل سے پہلے وہ بوٹیاں بہت قیمتي تصور کي جاتي ہیں،ان کے دام وصول کیے جاتے ہیں اور انہیں پوري حزم و احتیاط سے ایک جگہ سے ووسري جگہ

منتقل کیاجاتاہے اور ان تمام مراحل سے گزار کر ان کا جوہر اصلي ان سے کشید کر لیاجاتاہے لیکن جب وہ بہت قیمتي بوٹیاں اپنے اثاثہ اصلي سے محروم کر دي جاتي ہیں تو تھوڑي ہي دیر بعدکوڑے کاڈھیران کامقدر بن جاتاہے اوروہ فاضل مادہ تصور کیاجاتاہے ۔ اسی لیے تعلیم کا حقیقی جوہر خدا کی معرفت حاصل کرنا ہے تعلیم سے اگر معرفت ہی نکال دی جائے تو کیا بچے گا۔

تخلیق آدمؑ کے وقت اﷲ تعالیٰ نے انسان کو جس دولت سے نوازا تھا۔

وہ ''علم الاسما'' تھا، جس کي بنا پر حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں پر فوقیت ملي اور انسان اشرف المخلوقات کہلایا۔ اگر ہم مسلمانوں کي قدیم درسگاہوں کا مطالعہ کریں تومعلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں دنیاوي وعصري علوم کو نصاب کا لازمی حصہ قرار دیا گیا۔ امام غزالي وہ پہلے مسلمان مفکر ہیں جنہوں نے باقاعدہ دنیاوي علوم کو اسلامي نصاب میں شامل کیا ۔آپ کے نقطہ نظر میں نصاب اس طرح ہونا چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے یکساں مفید ہو۔ آپ نے فرض عین اور فرض کفایہ دونوں کو نصاب میں شامل کیا۔ ابن خلدون نے علو م کو طبعي اور غیر عقلي علوم کے د و گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ سر سید احمد خان اسلامي تعلیم اور مغربي علوم میں امتزاج وہم آہنگي پیدا کرنےکے قائل رہے۔ آپ کي دیرینہ خواہش تھي کہ مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں قرآن ہو، اور دوسرے ہاتھ میں جدید علوم اور سر پر لا الہ الا اﷲ کا تاج سجا ہو۔ علامہ اقبالؒ بذات خود حصول تعلیم کو مقصد حیات گر دانتےتھے۔آپ کے خیال میں تعلیم کا اصل مقصد خودي، اپني روایات کا پاس اور اپني بقا تھا۔

مفکرین اسلام کے مطابق نصاب ایسا ہونا چاہیے جو فرد کي دیني اور دنیوي زندگي کے الگ الگ پہلوؤں سے شخصیت کي مکمل تعمیر و تشکیل کر سکے۔ مفکرین کے رجحان سے یہ معلوم ہوتا ہےکہ تعلیم کا دوسرامقصد علم الاشیاء کا حاصل کرنا ہے۔

انسان بننے کے لیے صرف انسانوں کے ہاں پیداہوجانا ہي کافي نہیں بلکہ اس کے اندر انسانیت کا جوہر ہونا بھي ضروري ہے ۔ماہرین لسانیات کہتے ہیں کہ لفظ''انسان''کااصل مادہ یا مصدر ''انس''ہے جس کا مطلب محبت، پیار، الفت اور چاہت ہے۔ پس جس کے اندر ''انس''ہوگاوہی انسان کہلانے کا حق دار ہوگا اور جس کااندرون ''انس''سے خالي ہوگا اسے کوئي حق نہیں کہ وہ اپنے آپ کو انسان سمجھے۔ ہم کہ سکتے ہیں کہ تعلیم کا تیسرا بڑامقصد انسانیت پیدا کرنا ہے۔

انسانیت اور حیوانیت دو متضادالفاظ کے طورپر کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ حیوان اپنے آپ کو دوسرے پر فوقیت دیتاہے ،اپنا پیٹ بھرنے کے لیے دوسرے کا شکارکرتاہے۔ حلال و حرام کي تمیز کیے بغیراپنا دوزخ بھرتاہے اوراپني ہوس نفساني مٹانے کے لیے دوسرے کواستعمال کرتاہے۔جانور کو ضبط نفس کا ملکہ حاصل نہیں ہوتااسي لیے اس کے اندر برداشت کا مادہ بھي نہیں ہوتا ۔ وہ اپني فطرت کے خلاف حالات سے سمجھوتہ بھی نہیں کر پاتا ہے۔گھرمیں پالاہوا پالتوجانورہویاجنگل میں پلا بڑھا جنگلي جانور،صدیوں سے ان کے ہاں کوئي ارتقا نہیں،وہ ہزاروں سال پہلے جس طرح رہتے تھے آج بھي اسي بودوباش اور خوردونوشت کے مالک ہیں ۔ جانوروں کي ایک اور صفت یہ ہے کہ ان میں شرم و حیا اس طرح نہیں ہوتي جس طرح انسانوں میں اعلي اخلاق پائے جاتے ہیں،قدرت نے ان کےتن ڈھانکنے کا انتظام خود

سے کر دیاہے اور باہمي تعلقات میں چونکہ رشتہ داري کے حرم و احترام سے جنگل کاقانون خالي ہے اس لیے جانوروں کے تعلقات میں یہ وصف بھي عنقاہے۔جانوروں کا طبقہ طہارت کے اس جامع تصور سے بھي خالي ہے جوانساني معاشروں کا بنیادي جز سمجھاجاتاہے۔ جب ہم انسانیت کا مقصد حاصل کریں گے تو انسان میں موجود حیوانی صفات کی تہذیب کی جائے گی اس تہذیب کے بغیر تیار ہونے والی نسل تباہی اور بربادی کے علاوہ کچھ نہیں لائے گی۔

پس یہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم خدا کی معرفت ، انسانیت اور علم الاشیا کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ایسا نصاب تعلیم تشکیل دیں جو فرد کي دیني اور دنیاوي دونوں اعتبار سےشخصیت سازي اور کردار سازي کرے۔ اگر ہم آپؐ کي تعلیمات کو اپنے سامنے رکھیںتو ہمیں یہ بات معلوم ہو گي کہ معلم انسانیت حضرت محمد ؐنے نہ صرف دیني تعلیم پر توجہ د ی بلکہ دیگر مفید دنیوي علوم کے سیکھنے پر بھي خاص توجہ دي۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے آپؐ کے حکم سے عبراني زبان سیکھي۔ جبکہ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور حضرت غیلان بن مسلمؓ منجنیق کي صنعت سیکھنے کے لیے جرش نامي علاقے کو گئے۔آپؐ نے نظام تعلیم کي بنیاد قرآن کریم کي تعلیمات پر رکھي۔ بعد میں قرآن کریم کي قرأت و کتابت کے ساتھ ساتھ دیگر علوم صرف و نحو، تفسیر و حدیث ، فقہ و اصول فقہ، تاریخ و جغرافیہ،کیمیا، حیاتیات، فلسفہ و منطق ، طب ونجوم اور ریاضي واقلیدس بھي نصاب کا حصہ بنتے رہے۔ ایک مغربي محقق ڈاکٹرانڈریو ویل کے مطابق دین اسلام ہي

(Holistic Lifestyle) کي تعلیم دیتا ہے۔جس کے مطابق انساني شخصیت کي مکمل تربیت ایک ہي صورت میں ممکن ہےکہ دل ،دماغ اورجسم کا باہمي ربط قائم ہو۔

پس تعلیم کے اولین مقاصد حاصل کرنے کے لیےطلبہ میں تصور آخرت اور نظر یہ حیات کي آگاہي پیدا کی جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ افراد کو زندگي کا مفہوم اور مقصد، دنیا میں انسان کي حیثیت ، توحید ورسالت اور آخرت کے زندگي پر اثرات اور اخلاقیات کے اسلامي اصولوں سے آگاہي ہو۔ نصاب میں یہ قوت موجود ہوکہ وہ ایسے افراد پیدا کرے جو انفرادي اور اجتماعي زندگي کے بارے میں اسلامي نظریات پر بھر پور یقین رکھتے ہوں اور اسي یقین کي روشني میں زندگي کے ہر میدان میں اپنا رستہ خود بنا سکیں۔

ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں دینیات کو ایک الگ مضمون کي حیثیت دي گئي ہے۔ اور باقي مضامین کو اسلامي تصور سے دور رکھا گیا ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایک ایسامکمل نصاب ہوتا جس میں عصري علوم کے ساتھ ساتھ دیني علوم بھی شامل ہوتے تاکہ افراد کي تعلیم و تربیت اسلامي عقائد و نظریات کے زیر سایہ ہوتي اور اُن میں خدا کی معرفت پیدا ہوتی اوروہ معاشرے کے بہترین اور مفید شہري ثابت ہوتے۔ لہٰذا موجودہ نصاب کو صحیح خطوط پر استوار کر نے کي اشد ضرورت ہے۔

https://www.schoolbook.pk/blog/for-teacher/what-is-your-teaching-style-6783

http://religion.asianindexing.com/index.php/Al-Taby%C4%ABn/%DB%81%D9%85%D8%A7%D8%B1%DB%92_%D8%AA%D8%B9%D9%84%DB%8C%D9%85%DB%8C_%D9%85%D8%B3%D8%A7%D8%A6%D9%84_%D8%A7%D9%88%D8%B1_%D8%A7%D9%86_%DA%A9%D8%A7_%D8%AD%D9%84:_%D8%A7%D8%B3%D9%84%D8%A7%D9%85%DB%8C_%D8%AA%D9%86%D8%A7%D8%B8%D8%B1_%D9%85%DB%8C%DA%BA

http://www.tiflee.com/basic-objectives-of-education/